Title - INSHA KI TALEEM.

Creator - Waqar Azeem.

Publisher - Maktaba Jamia (New Delhi).

Date - 1943

Pages - 117.

Subjects - Insha Nigari - Usool-o-Taleem

انسانی تعلیم

وقار عظیم ایم۔ اے، بی ٹی

مکتبہ جامعہ
دہلی۔ نئی دہلی۔ لاہور۔ لکھنؤ۔ بمبئی

بار اوّل ۱۵۰۰

قیمت ۸

انتساب
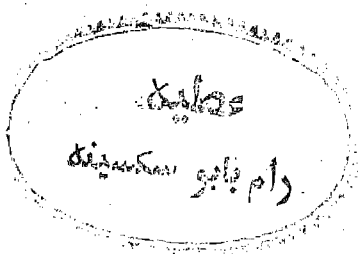
جامعہ ملیہ اسلامیہ اور ٹکنکل ہائی اسکول دہلی
کے طلبہ کے نام
جن کے ساتھ میں نے انشا کے اصولوں کو عملی طور پر پرکھا

وقار عظیم
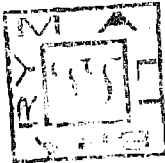
پیش لفظ

میں نے انشا کی تعلیم کے مختلف بابوں میں جن اصول کا ذکر کیا ہے وہ اب سے چند برس پہلے تک تو میرے لئے بھی صرف اصول ہی تھے۔ لیکن اب کئی سال تک میں نے خود اُن پر عمل کیا ہے اور اس عمل سے جو مفید نتیجے برآمد ہوئے، اُنھیں کی بنا پر میں یہ مختصر سی کتاب اُردو کے اساتذہ، کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ آپ کو اس میں جا بجا خامیاں بھی ملیں گی اور شاید خامیوں سے زیادہ کام کی باتیں۔ اگر آپ ان کام کی باتوں سے فائدہ اٹھا سکیں تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ کوشش مشکور ہوئی۔ مجھے اگر آپ میری خامیاں بتا دیں تو ممکن ہے اس کتاب کو آئندہ اور بھی مفید بنا سکوں۔

اس کتاب کے لکھنے کی تحریک میرے شفیق اُستاد خواجہ غلام السیدین صاحب نے کی تھی۔ اور اس میں جو اچھی باتیں ہیں وہ میں نے موصوف ہی کی رہنمائی اور خدمت میں حاصل کی ہیں اور اُن کے لئے میں ہمیشہ موصوف کا ممنونِ احسان رہوں گا۔

وقار عظیم

۲۵ر اکتوبر ۱۹۴۴ء

(۱)

تمہید

زندگی کے ہر شعبے میں عموماً اور تعلیمی دنیا میں خصوصاً ہر طرف "آزادی" اور "عمل" کی آوازیں گونج رہی ہیں۔ مغرب کے تعلیمی مفکر مدرسے کو ایک ایسا ماحول بنانا چاہتے ہیں جس میں بچے آزادی سے حرکت کر سکیں۔ جمود ان کے نزدیک زندگی کی سب سے مہلک بیماری ہے اور اس لئے ضرورت ہی کہ مدرسہ کے ماحول کو اس سے بچایا جائے۔ تعلیم کے ان قدیم طریقوں کو ایک ایک کرکے رخصت کیا جا رہا ہے جن میں علم کے حصول کا سب سے اچھا طریقہ یہ تھا کہ بچے گونگے بن کر اپنی کرسیوں پر بیٹھ جائیں اور پڑھانے والا اپنی معلومات کے خزانے کو ان تک منتقل کرتا رہے۔ استاد نے جو کچھ کہا، شاگرد نے اسے آمنّا و صدقنا کہہ کر قبول کر لیا۔ کانوں نے

جو کچھ سُنا، دل نے اسے اپنا ایمان بنا لیا۔ اس علم میں سوال کی گنجائش تھی نہ جواب کی۔ شک اور شبہ بہت بڑا گناہ تھا چونکہ ضروری تھا کہ اُستاد کو خدا کی طرف سے بخشی ہوئی ایک نعمت سمجھا جائے اس لئے جو کچھ اُس نے کہا اُس پر یقین نہ کرنا اگر مذہبی مفہوم میں کفر نہیں تو شرک ضرور تھا۔ اس طرح کے علم کے متعلق بظاہر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ حاصل کر لیا گیا۔ اس لئے کہ بچوں نے جو کچھ سنا اُس کے اظہار پر قادر رہیں۔ اُستاد نے اُنھیں جو کچھ سکھایا وہ اُن کے دلوں پر نقش ہے اور اس لئے زبان اور قلم دونوں سے اُسے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ مگر موجودہ تعلیمی مفکر یہ نہیں کہتے۔ اُن کا خیال ہے کہ جو علم زندگی کا جزو نہ بن سکے اُسے صحیح معنوں میں علم ہرگز نہیں کہنا چاہئے۔ ہر وہ چیز جو سیکھی جائے۔ سیکھنے والے کی ذات میں اس طرح سرایت کر جانی چاہئے کہ اُس کے ہر عمل پر اُس کا پرتو نظر آئے۔ زبان جو کچھ کہے، دل بھی اس کا حامی ہو۔ علم جو کچھ بتائے عمل اُس کا شریک ہو۔ علم اور عمل میں ہم آہنگی کا ہونا لازمی ہے۔ اور یہ ہم آہنگی اُس وقت تک نہیں پیدا ہو سکتی جب تک علم سیکھنے والے کی ذات کو اپنی فطری قوتوں کے مطابق ترقی کرنے کا موقع نہ ملے۔

ہر انسان کو دُنیا میں ایک خاص فطرت کے ساتھ بھیجا گیا ہے جو دوسرے انسان کی فطرت سے مختلف ہے کسی میں ایک قوت

زیادہ ہی اور کسی میں دوسری کسی کی دلچسپیوں کا مرکز ایک چیز ہے اور کسی کی دلچسپیوں کا دار و مدار بالکل اس سے مختلف اور متضاد چیز پر ہے۔ ایسی صورت میں اگر تعلیمی ماحول کو صرف ایک طرح کی فضا سے محدود کر دیا جائے گا تو فطرتِ انسانی کے اس تنوع میں فرق پیدا ہو جائے گا۔ فطرت کی نیرنگی اور اس کے نظامِ عمل کی سلسلے دار روانی میں فرق آ جائے گا۔ طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا ہوں گی۔ انسان قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا۔ اس لئے کہ جس راستے پر چلنے کے لئے اُسے پیدا کیا گیا تھا، اُس کے رہبروں نے اُسے گمراہ کر کے، اُسے منزل سے بھٹکا دیا اور اس لئے اُسے زندگی کی ہر منزل نئی اور عجیب معلوم ہونے لگی۔ ہماری موجودہ زندگی کی کشمکشوں کی ذمہ داری سرتاسر اسی مہلک غلطی پر ہے۔ اور ہمارے ماہرِ نفسیات نے اس چیز کو شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے۔ اُس کا تقاضا ہے کہ مدرسے کو ایک ایسا ماحول بنا دینا چاہئے جس میں ہر بچے کو اپنی انفرادی فطرت کے مطابق ترقی کرنے کا موقع ملے۔ قدرت نے ہر بچے میں جو خاص قوتیں ودیعت کی ہیں اور جو اُسے ہر دوسرے بچے سے الگ کرتی ہیں، اُنھیں آزادی کے ساتھ اور زیادہ سے زیادہ اظہار کا موقع ملے۔ وہ ہر چیز دوسروں سے سن کر نہیں بلکہ اپنے تجربے سے سیکھیں۔ محض اُستاد کا علم اُن کے لئے شمعِ ہدایت نہ ہو۔ بلکہ خود اُن کا تجربہ قدم قدم پر خضرِ راہ

بن کر اُس کی رہنمائی کرے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہر بچہ اپنی فطرت کے مطابق ترقی کر سکتا ہے اور اس طرح قوم اور ملک کا ہر فرد اپنی آئندہ زندگی میں قوم کی صحیح خدمت انجام دینے کے قابل بن سکتا ہے۔

مدرسے کی فضا میں جو ایک نئی طرح کی عملی سرگرمی اور زندگی کے نئے آثار نظر آ رہے ہیں ان کی ایک وجہ تو یہی جذبہ ہے کہ ہر بچہ جہاں تک ممکن ہو سکے، اپنی فطرتی قوتوں سے ہم آہنگ ہو کر زندگی کے سفر میں گامزن ہو۔ لیکن زندگی کا یہ سفر چونکہ دن بدن زیادہ طویل اور اس کا راستہ ہر لحظہ پیچیدہ سے پیچیدہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مدرسے سے نکلنے والے بچوں کو ان پیچیدگیوں سے آگاہ کر دیا جائے۔ سائنس کی حیرت انگیز ترقیوں نے زمانے کی ہر چیز میں ایک نمایاں انقلاب پیدا کر دیا ہے خصوصاً سیاسی، معاشی اور تمدنی زندگی نے مختلف کروٹیں لے کر اب ایک ایسی شکل اختیار کر لی ہے جس میں دنیا کا ہر فرد کسی نہ کسی طرح اُلجھا ہوا ہے۔ زندگی کی زنجیر دن بدن زیادہ طویل ہوتی جا رہی ہے اور اس طویل زنجیر کی مختلف کڑیاں، انسانی زندگی کے مختلف تعلقات سے وابستہ ہیں۔ گھریلو زندگی کے محدود رشتے کھنچتے کھنچتے مدنی، قومی، ملکی اور اس کے بعد بین الاقوامی اور بین الملوکی زندگی تک پھیل گئے ہیں اور اس تار میں ہر انسان کسی نہ کسی طرح

بندھا ہوا ہے۔ سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ یا طاقت اور نا توانی کی جدوجہد، صرف روس، جرمنی، اٹلی، چین اور جاپان ہی تک محدود نہیں۔ سیاسی اور معاشی زندگی کے پیچیدہ مسائل، ہندوستان مصر اور حبش ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہندوستان کی زنجیر کی کڑیاں انگلستان اور جاپان سے وابستہ ہیں، چین اور جاپان کے رشتے کی زنجیر پھیل کر، انگلستان، فرانس، اٹلی، جرمنی اور امریکہ تک پہنچ رہی ہے اور اس کے بعد یہ مختلف زنجیریں مل کر کسی نہ کسی طرح ایک ہو گئی ہیں۔ اس کشمکش میں ہر طرف نفسی نفسی کی آوازیں آرہی ہیں۔ ہر ملک ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہونے کے باوجود بھی اپنی نجات کی فکر میں مبتلا ہے اور اس لئے ضروری ہے کہ ہر قوم کے فرد، انفرادی طور پر اس کشمکش میں حصہ لیں۔ اور اپنی قوم اور ملک کی گتھیوں کو دور کرنے کے علاوہ انسانی دنیا کو مختلف طرح کے عذابوں سے نجات دلائیں۔

اس زندگی کا ایک پہلو تو یہ ہوا، جو کسی حد تک تاریک کہا جا سکتا ہے لیکن ایک دوسرا پہلو جس میں افراد کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے یہ ہے کہ موجودہ تہذیب ہمیں جمہوریت کی طرف لئے جا رہی ہے۔ ہر طرف قومی آزادی کے ساتھ ساتھ شخصی آزادی کی تلاش اور جستجو ہے۔ ہر شخص اپنی قوم اور ملک کو آزاد بنانے سے پہلے ضروری ہے کہ خود آزاد ہو۔ اُس کی فطری قوتیں سوسائٹی

کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہو سکیں۔ وہ اچھا شہری بن سکے، سیاسی جنگ میں جوش کے ساتھ حصہ لے سکے۔ اس میں عمل کے میدان میں آکر، دوسروں کو جیتنے کی قدرت ہو۔ وہ ایک لیڈر بن سکے۔ پلیٹ فارم پر آکر پرزور تقریروں کے ذریعے سے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر سکے۔ قانونی مجلسوں میں پہنچ کر قومی مفاد کی سرگرمی سے حمایت کرے۔ جلسوں سے واپس کر، اپنے زور قلم سے دلوں کو اپنی مٹھی میں دبائے۔ سماجی مجلسوں میں اپنی شیریں بیانی سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے۔ لوگ اس کا ہم خیال بننے کو اپنے لئے عزت و راحت کا سرمایہ سمجھیں۔ ہماری سوسائٹی کی موجودہ ضرورتیں اسی طرح کے افراد کی جستجو میں سرگرم سفر ہیں، جو ہر چیز کے متعلق صحیح رائے رکھتے ہوں اور اس رائے کے اظہار پر قادر ہوں۔ اس لئے موجودہ تعلیم اپنے لائحہ عمل میں اس طرح کی چیزیں شامل کرنے کی کوشش کرتی ہے جن سے افراد میں بولنے اور لکھنے کی پرزور قوت پیدا ہو سکے۔ ان میں اپنے گرد وپیش کے اہم مسائل پر غور و فکر کی عادت پیدا ہو اور وہ ان مسائل پر صحیح رائے قائم کرنے پر قادر ہوں۔ ملک کے نوجوانوں میں غور و فکر کی عادت اور مسائل کو پرکھنے اور ان پر صحیح رائے قائم کرنے کی قوت پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے سامنے اس طرح کی چیزیں پیش کی جائیں جن سے یہ قوتیں فطری طور پر ابھریں۔ اس سلسلے میں مدرس

کے پاس سب سے اچھا آلہ کتابیں ہیں۔ کتابوں کے صحیح اور باقاعدہ مطالعے سے بچوں کی تنقیدی صلاحیت کو اظہار کا موقع ملتا ہے۔ وہ اُنھیں پڑھتے ہیں۔ اُن کی اچھائیوں اور بُرائیوں کو پرکھکر اُن پر صحیح رائے قائم کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری تعلیم بچوں میں یہ تمام قدریں پیدا کرنے اور اُن کی فطری قوتوں کو اُبھارنے کے لئے کن وسائل سے کام لے سکتی ہے۔ اس سلسلے میں ہماری نظر سب سے پہلے بچے کی مادری زبان کی طرف جاتی ہے۔ بچہ جب سے ہوش سنبھالتا ہے تجربات حاصل کرنے شروع کر دیتا ہے۔ وہ چیزوں کو دیکھتا ہے اُن کے متعلق کچھ نہ کچھ سوچتا ہے اور اپنے خیالات کا اظہار ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جوں جوں وہ بڑھتا ہے اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ وہ کچھ باتیں سن کر سیکھتا ہے۔ کچھ خود بخود اُس کے ذہن میں آتی ہیں اور کچھ باتیں اُس زمانے کی غیر محسوس یادگار ہوتی ہیں جب بلا احساس اُس کے دماغ پر گرد و پیش کے اثرات جمع ہوتے جا رہے تھے۔ قدرت نے اُس میں یہ جذبہ پیدا کیا ہے کہ جو کچھ محسوس کرے اُس کا اظہار کرنے پر مجبور ہو۔ اس فطری جذبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اُسے لفظوں کے خزانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مادری زبان اس ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ خیالات کے لئے زبان کی ضرورت ہوتی ہے اور زبان کی بڑھتی ہوئی قوت کے ساتھ

خیالات میں وسعت اور صفائی پیدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ ایک چیز خود بخود دوسری چیز کی ترقی میں مدد دیتی ہے۔ اگر یہ سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے فطری طریقے پر جاری رہے تو ۹ برس کی عمر تک بچے میں سوچنے، چیزوں میں امتیاز کرنے اور ان کے متعلق رائے زنی کرنے کی تھوڑی بہت قوت پیدا ہو سکتی ہے۔

تعلیم کا فرض ہے کہ وہ فطرت کے اس عام اصول سے فائدہ اٹھائے۔ ترقی کے جس راستے پر بچہ گامزن ہے اسے اس راہ پر چلنے میں زیادہ سے زیادہ مدد دے۔ گھر کا ماحول عموماً فطرت کے اس قانون سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس لئے ایک منزل ایسی آتی ہے جب بچہ اپنے خیالات میں توازن کی کمی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اسے دنیا ایک گورکھ دھندا معلوم ہونے لگتی ہے۔ ہر چیز اسے اس کے خیالات سے جنگ کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو اس جنگ میں شکست کھاتا ہوا محسوس کرتا ہے اس کے ماحول کی وسعت، اس کے مختصر سے دماغ میں نہیں سما سکتی۔ اس لئے اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کن چیزوں کو لے اور کنھیں چھوڑے۔ یہی منزل ہے جب مدرسہ اس کی مدد کرتا ہے۔ اس کے وسیع ماحول میں سے چند مخصوص چیزوں کا انتخاب کرکے بچے کے لئے ایک نئی دنیا بساتا ہے یہ دنیا بچے کو مانوس نظر آتی ہے۔ اس کے خیالات کی جنگ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور اب وہ محسوس کرتا ہے کہ ایک صحیح راستے کی طرف

جا رہا ہے۔ جب بچے کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو پھر نہایت آسانی سے اس کے رجحانات اور میلانات کی تعمیر بھی کی جا سکتی ہے۔

لیکن صرف یہ کہدینا کہ مادری زبان کی مدد سے ان چھپی ہوئی قوتوں کو اظہار کا موقع دیا جا سکتا ہے۔ بالکل بے معنی ہے۔ اس لئے کہ اگر بچوں کو مادری زبان کے حصول کے ان فطری طریقوں پر چھوڑ دینے کے بعد یہ یقینی ہوتا کہ وہ خود بخود اچھے مقرر اور انشا پرداز بن جائیں گے تو آج اس کی ضرورت ہی نہ باقی رہتی کہ تعلیمی دنیا میں روزنئے تجربات کئے جائیں۔ نفسیات کے اصول کی بنا پر ہر روز نئے طریقے ایجاد ہوں۔ اور ہر طرف یہ کوشش کی جائے کہ جس طرح بھی ممکن ہو بچوں کو اپنی انفرادیت کے اظہار کا موقع ملے۔ اس لئے اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مادری زبان کی تعلیم کی کس شاخ سے یہ مدد لی جائے کہ بچوں کی ترقی اور اس مقصد کے حصول میں زیادہ سے زیادہ کامیابی ہو سکے۔

مدرسوں میں جہاں تک مادری زبان کی تعلیم کا تعلق ہے اس میں دو چیزیں سکھائی جاتی ہیں۔ پڑھنا اور لکھنا۔ ان میں سے پہلی چیز یعنی صرف پڑھنے سے تقریر اور انشا پردازی کی کتنی صلاحیتیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ اس کے اظہار کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں اس لئے کہ دونوں چیزوں میں دور کی بھی نسبت نہیں۔ رہا لکھنا، تو اس میں بہت سی چیزیں آجاتی ہیں۔ املا لکھنا بھی اسی میں شامل ہے۔ پڑھی

ہوئی عبارتوں کا مطلب اور اُن کی تشریح بھی لکھنے ہی کے ضمن میں
آجاتی ہے۔ مضمون نگاری کا تعلق بھی لکھنے سے ہے۔ اس لئے
بظاہر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کی مشق بھی
مختلف طریقوں سے برابر جاری رہے۔ لیکن اس کے بعد بھی یہ
سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف لکھنے کی مشق سے، لکھنے کی صحیح
قوتیں پیدا ہو سکیں گی؟ اس بات کا زیادہ سے زیادہ امید افزا جواب
یہ ہو سکتا ہے کہ بچہ اچھا انشا پرداز بن جائے گا۔ اس سے زیادہ
کیا ہوگا؟ ہماری موجودہ سوسائٹی کو زیادہ ضرورت ہے اچھے
مقرروں کی، اور اچھے نقادوں کی جو کھوٹے کھرے کو پرکھ کر اس
پر آزادی سے، زور کے ساتھ اظہار خیال کر سکیں۔ اس کے لئے
نہ پڑھنا کام آ سکتا ہے نہ لکھنا، قلم کی قوت اور دل و دماغ کی
روشنی سے ضروری نہیں کہ تقریر میں بھی لذت، اثر اور سحر پیدا
ہو جائے۔ اس کے لئے ہمیں کسی اور چیز سے بھی مدد لینی پڑے گی۔
یورپ اور امریکہ میں ان کمیوں کو پورا کرنے کے لئے طرح طرح کے
طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ اُن میں سے اکثر ایسے ہیں جن پر
ہندوستان میں عمل کرنا ناممکن ہے اور بعض ایسے ہیں جنھیں تھوڑی
بہت تبدیلی کے ساتھ اپنایا جا سکتا ہے۔ لیکن ان میں سے سب
سے آسان طریقہ انشا کی تعلیم ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جس کی
بدولت مدرسے کی محدود فضا میں رہ کر بھی ہم بچوں کی آئندہ اہم

قوتوں کو بیدار کر سکتے ہیں جن کی ہمارے موجودہ سیاسی اور معاشرتی نظام میں بے حد ضرورت ہے۔

انشا کی مدد سے ہم بچوں کی تخلیقی اور تعمیری جبلتوں کو زیادہ سے زیادہ اظہار کا موقع دے سکتے ہیں۔ انشا ہی کی مدد سے ہمارے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ اُن کے خیالات میں تسلسل اور ربط پیدا کر دیں۔ اسی کی مدد سے ہم اُن میں سوچنے اور چیزوں کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کی صلاحیت پیدا کر کے اُسے ترقی دے سکتے ہیں، اور اسی کی مدد سے ہم اُن میں بولنے اور لکھنے کی مفید اور تخلیقی قوتیں پیدا کر سکتے ہیں۔ انشا ہی کی مدد سے اُن کی انفرادیت میں بھی جلا ہو سکتی ہے۔ اُن میں خاص طرح کے رجحانات پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ یہ سب چیزیں کس طرح ہو سکتی ہیں اس کا جواب نہ آسان ہے اور نہ مختصر۔ اس لئے آئندہ بابوں میں کچھ مثالیں لے کر یہ بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ کس طرح مدرسے کی زندگی کے مختلف مدارج میں بچوں کے ذہن کے نفسیاتی ارتقا کے ساتھ ساتھ ہم انشا کی مشقوں کے ذریعے سے اُن میں لکھنے، بولنے اور کھوٹے کھرے کی پہچان کرنے کی قوتوں کو ترقی دے سکتے ہیں لیکن اس تفصیلی بحث کو چھیڑنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انشا کے کچھ عام اصول کا ذکر کر دیا جائے تاکہ معلم، اُن مشقوں اور طریقوں کو عملی جامہ پہنانے کے وقت ان اصول کو پیش نظر رکھیں

انشا کی تعلیم کا جو مقصد ابھی بتایا گیا، اُس کا لب لباب یہ ہے کہ ہمیں اس تعلیم کی مدد سے بچے کی بعض فطری قوتوں کو اظہار کا موقع دینا چاہئے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ بڑھ سکیں اور اس سے بچے کی انفرادی شخصیت نمایاں طور پر ترقی کر سکے۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے بعض نفسیاتی اصول کی پابندی لازمی ہے۔

(۱) ہم اگر چاہتے ہیں کہ بچے کی فطری قوتیں آزادی سے ترقی کریں تو سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم اُس کی دلچسپیوں کا خیال رکھیں۔ بچوں کی دلچسپیوں کا مرکز اُن کے دماغ کے نفسیاتی ارتقا کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ ان کا ادراک رفتہ رفتہ کئی منزلیں طے کرتا ہوا اس درجے پر پہنچتا ہے۔ جب وہ لفظوں، اُن کی ذہنی تصویروں اور اسم وصفات کی بندشوں سے گزر کر ایک خیال اور دوسرے خیال میں تمیز کر سکیں۔ معلّم کو بچوں کے ذہنی ارتقا کے ان تمام مدارج کو پیش نظر رکھ کر، ان کی دلچسپی کا سامان فراہم کرنا چاہئے تاکہ اُن کا ادراک، ایک مانوس اور نفسیاتی فضا میں رہ کر خاطر خواہ ترقی کر سکے۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ انشا کی مشقیں خواہ وہ کسی درجے میں ہوں، اُن کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ان کا موضوع بچوں کے لئے مانوس ہو۔ کیا چیزیں، کس درجے کے بچوں کے لئے موزوں ہیں، اور کون سی چیزیں اُن کے ادراک

کے نفسیاتی ارتقا سے ہم آہنگ ہیں، اس کا ذکر اُس وقت آئے گا جب ہم مختلف مشقوں کی مفصل بحث کریں گے۔

(۲) لیکن اس سلسلے میں ایک دوسری اہم بات یہ ذہن نشین ہونی چاہئے کہ بچّوں کو صرف مانوس موضوع دے دینا ہی کافی نہیں۔ انھیں کوئی دلچسپ یا مانوس موضوع دے کر یہ یقین کر لینا کہ وہ اُس پر ضرور اظہار خیال کریں گے، صحیح نہیں۔ بچّوں کے لئے ایک دوسری تحریک یہ ہونی چاہئے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں یا لکھ رہے ہیں، اُس کا سننے والا یا پڑھنے والا صحیح معنوں میں اُن کا ہمدرد اور ہم خیال ہے۔ اس لئے مانوس موضوع کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ اُن کے دلوں میں یہ احساس بھی پیدا کر دیا جائے۔

(۳) بچّے ہر نئی چیز کو بے حد پسند کرتے ہیں اور اُن کی یہ فطرت پڑھنے اور کھیلنے دونوں میں یکساں طور پر کام کرتی ہے۔ اس لئے انھیں جو مشقیں دی جائیں اُن میں ہمیشہ کوئی نیا پن، کوئی تازگی اور کوئی شگفتگی ہونی چاہئے۔ یہی چیزیں اُن کی خوشی کا سرمایہ ہیں مگر اس کے ساتھ ہی یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ بچّوں کا کام صرف تفریح بن کر نہ رہ جائے۔ جہاں ایک طرف ان کی دلچسپی کا خیال بیحد ضروری ہے، وہاں دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ اُن میں سوچنے کی قوت پیدا کی جائے۔ اس لئے تفریح کے ساتھ کچھ ایسی ٹھوس چیزیں بھی ہونی چاہئیں جو برابر اُن کے تخیل کو اُبھارتی

رہیں ۔

(۴) اس سلسلے میں ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیے جس کا تعلق کسی حد تک تو بچے کی نفسیات سے ہے اور کسی حد تک خود ہماری زندگی سے ۔ ہم میں سے ہر شخص ، لکھ کر یا بول کر ، یا محض اشارے سے ، جب اظہار خیال کرتا ہے تو اس کے ذہن میں ، محسوس یا غیر محسوس طریقے سے مندرجہ ذیل وجوہ میں سے کوئی ہوتی ہے :۔

(۱) یا تو اظہار خیال اس لئے کیا جاتا ہے کہ اپنا خیال دوسرے تک پہنچ جائے ۔ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ کچھ لوگ اس سے واقف ہو جائیں ۔

(۲) اظہار خیال کی دوسری وجہ (جس کا تعلق محض تحریر سے ہے) یہ ہے کہ ہم اپنے خیال کو منضبط کر لیں ۔

(۳) تیسری وجہ جو ان سب سے زیادہ اہم ہے اور عموماً غیر محسوس طریقے پر ظہور میں آتی ہے یہ ہے کہ ہمارا دل ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اظہار خیال کریں ۔ یہ اظہار خیال کسی خاص مقصد سے نہیں کیا جاتا ۔ اس میں کسی نفسیاتی تحریک کو دخل ہوتا ہے اور اس لئے اس میں عموماً زیادہ اثر ہوتا ہے ۔ بچے عموماً اظہار خیال میں پہلی دو وجہوں کے پابند نہیں ہوتے ۔ ان کی فطرت انھیں مجبور کرتی ہے کہ گرد و پیش کی فضا سے جس طرح متاثر ہوں ، اس کا اظہار اپنے الفاظ میں کر دیں ۔ معلم کے

لئے اس اصول کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے انشا میں ہمیشہ اس بات کی کوشش کرے کہ بچوں کے دل میں خود بخود اظہار خیال کا جذبہ اور امنگ پیدا ہو۔ اُن کے سامنے کوئی ایسی فضا پیش کی جائے کہ وہ اُن کا دل خود بخود کچھ کہنے یا لکھنے کو چاہے۔ انشا کی تعلیم صرف اسی صورت میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

لیکن پہلی دو وجہوں کو یک لخت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا انسانی زندگی میں انھیں بھی اچھی خاصی اہمیت حاصل ہے اس لئے آخری مدارج میں چل کر، اُن سے کام لینا بھی ضروری ہے۔ لیکن وہاں بھی جہاں تک ممکن ہو سکے، پہلی اور دوسری وجہ کو تیسری کا تابع بنا لینا چاہیئے۔

پہلی قسم کی مشقوں کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے خیالات میں صفائی ہو۔ دوسری قسم کی مشقوں کا سب سے اہم جزو، صحت ہے اور تیسری طرح کی مشقوں میں سچائی۔ اس لئے اگر معلم تینوں قسم کی مشقوں سے ہوشیاری اور توازن سے کام لے تو اُس کے بچوں میں تین ایسی صفات پیدا ہو جائیں گی جو صرف انشا ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اُن کی رہبری کریں گی۔

(۲)

ہماری ضرورت

انشا کا جو مفہوم ہم نے پہلے حصے میں بیان کیا، وہ تعلیم کے نئے طریقوں کے جاننے والوں کے نزدیک تو کچھ نیا نہیں۔ اس لیے کہ مغربی ممالک میں اس لفظ کو بے حد وسیع مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں وہ تمام مشقیں شامل سمجھی جاتی ہیں جن سے معلم بچوں کی تقریر، تحریر، تنقید اور فکر کی قوتوں کو ترقی دینے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے عام مدرسوں میں پڑھانے والے معلم ان تمام باتوں کو دیوانگی یا مجذوب کی بڑ سے زیادہ نہ سمجھیں گے۔ اس لئے کہ ان مدرسوں میں انشا کا مفہوم بہت محدود ہے۔ انگریزی کی تعلیم میں کہیں کہیں مشقوں میں تنوع پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہاں مضمون نگاری، خط نویسی، لفظوں کو جملوں میں استعمال کرنا، لفظوں کے مرادف، متضاد بتانا، خالی جملوں کو بھرنا اور اسی طرح کی بعض دوسری مشقیں انشا میں شامل ہیں۔ لیکن ان مشقوں کا چونکہ کوئی خاص مقصد نہیں ہوتا

اور نہ اُن میں کسی خاص ترتیب کو دخل ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مشقیں بچوں کے لیے بہت کم مفید ہو سکتی ہیں۔ ان سے نہ انھیں صحیح لکھنا آتا ہے اور نہ پڑھنا اور بولنا۔

لیکن ہمیں اس وقت انگریزی کی تعلیم سے بحث نہیں بلکہ ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اُردو کی تعلیم میں ہمارے معلم اور ہمارے مدرسے انشا کا کیا مفہوم سمجھتے ہیں۔ عام طور پر تو انشا اور مضمون نگاری کو مرادف سمجھا جاتا ہے۔ مدرسوں میں انشا کے گھنٹے کو مضمون نویسی کا گھنٹہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں سمجھا جاتا۔ جس دن سے بچہ مدرسے میں داخل ہوتا ہے اُس دن سے مدرسہ چھوڑنے کے دن تک، اُس کے ذہن میں انشا کا یا تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی کو خط لکھے یا کوئی نہ کوئی مضمون۔ ظاہر ہے کہ جس تعلیمی زندگی میں معلم کا مقصد صرف خط لکھوانا یا مضمون نگاری ہو، اُس کے ختم کرنے کے بعد لڑکے کیا سیکھیں گے۔

پُرانے طریقے کے حامیوں سے جب یہ بات کہی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ مضمون نگاری کوئی بُری چیز تو نہیں۔ اُس سے بچوں میں سوچنے کی قوت اور لکھنے کی مشق پیدا ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں آگے چل کر اُس کی زندگی میں بہت کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ اپنے اس پُر زور بیان کی تائید میں لوگ ایک ہی سانس میں کچھ بھاری بھرکم سرخیوں کی ایک طویل فہرست پیش کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں سے ان ان چیزوں پر مضمون لکھواتے

ہیں کچھ عنوان ملاحظہ ہوں :-
راست گوئی، ہمدردی، دوسروں کی مدد، خدا کی عبادت، علم، کم سخنی بخشش، بہادری، ماں باپ کی اطاعت، اُستاد کا حکم صفائی کے فائدے وغیرہ۔ اُن کے نزدیک اس طرح کے دس بیس مضمون لکھوا کر بچوں کو ہر طرح کے اخلاق کا نمونہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور اُن میں سوچنے کی قوت کے ساتھ، اچھائیوں اور بُرائیوں کا احساس بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ گویا دل و دماغ دونوں کی تربیت کے لئے صرف چند مضامین کا لکھ لینا کافی ہے۔

دوسری طرح کے معلمین جو اپنے آپ کو قدیم روشوں سے الگ اور پُرانی زنجیروں سے آزاد سمجھتے ہیں، ذرا اس سے مختلف قسم کے مضامین لکھواتے ہیں۔ اُن تک جدید طریقوں کی روشنی کی ایک ہلکی سی جھلک پہنچ گئی ہے اور اس لئے وہ اپنے آپ کو تعلیم اور نفسیات کا ماہر سمجھنے لگے اور اسی زعم میں اُنھوں نے اپنے مضامین کا عنوان کسی قدر بدل دیا۔ وہ یہ تو سمجھتے ہیں کہ اخلاقی مضامین لکھوانے سے بچوں کو اخلاق کی تعلیم نہیں دی جا سکتی لیکن کس بات کی ضرورت ہے اور انھیں کیا کرنا چاہئے اس کا احساس اُنھیں بھی نہیں۔ ذرا دوسری قسم کے چند مضامین کی فہرست بھی سن لیجئے:-
برسات کا سماں، جاڑے او گرمی کی لڑائی، موسم بہار، عید، ان مضامین میں معلمین کے نزدیک دلچسپی کا عنصر زیادہ ہے اور

اس لئے بچے اِن کے لکھنے میں دلچسپی لیں گے۔ اسی قسم کے معلّمین جب
زیادہ غور کرکے اپنے طلبہ کو کوئی مضمون لکھنے کے لئے دیتے ہیں
تو وہ اور بھی زیادہ مضحکہ خیز ہو جاتا ہے۔ میں اُردو کے ایک مدرس
صاحب کو جانتا ہوں، جو برابر اس بات کی کوشش میں رہتے ہیں
کہ اپنے شاگردوں کو دلچسپ سے دلچسپ اور نئے سے نئے مضامین
لکھنے کو دیں۔ اُنھوں نے سال بھر کے اندر نویں درجے میں جو
مضامین لکھنے کو دیئے، اُن میں سے دو تین عنوان سن کر آپ بھی
لطف اندوز ہو لیجئے۔ (۱) ازماست کہ برماست۔ (۲) کانگریس
اور مسلم لیگ (۳) تمباکو نوشی کے نقصانات۔ یہ دونوں مضمون
لڑکوں کو ۱۵ دن پہلے سے بتا دیئے گئے تھے۔ اور مدرس صاحب
کا خیال تھا کہ لڑکے خوب سوچ کر اچھے سے اچھے مضمون لکھیں گے
لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ اکثر لڑکے تو پہلے عنوان
کے معنی ہی نہیں سمجھے اور آخر میں جو کچھ اُن کے جی میں آیا لکھ مارا۔
کچھ ایسے تھے جن کی سمجھ میں اس کا کچھ نہ کچھ مفہوم آ گیا۔ اُنھوں نے
مضمون لکھا اور اُسے اچھا خاصا معجونِ مرکّب بنا دیا۔ بعض لڑکوں
نے اپنی ساری تاریخی معلومات کا خزانہ اس مضمون کے لکھنے میں
صرف کر دیا اور بتایا کہ کس طرح تاریخ کے تمام واقعات اس ضرب المثل
کے سانچے میں ڈھالے جا سکتے ہیں۔ بعض نے اپنے دماغ سے
طرح طرح کے انوکھے قصے لکھے اور کسی نہ کسی طرح اُن میں اس

ضرب المثل کو چسپاں کرنے کی کوشش کی۔ بعض مضمون ۲-۳ صفحے
کے تھے اور بعض ۳۰-۳۵ صفحے کے ہو گئے تھے۔

یہی حال دوسرے عنوان کا ہوا۔ لڑکوں نے اس پر ۲۵
۲۵ صفحے کے لمبے مضمون لکھے اور اُن میں کانگریس اور مسلم لیگ
کی پوری تاریخ لکھ کر، ماسٹر صاحب کو دکھا دی۔ لیکن مجھے معلوم
ہے کہ پورے درجے میں ایک لڑکا بھی ایسا نہیں تھا جس نے
مضمون کے لکھنے میں دلچسپی لی ہو۔

ہم اس جگہ یہ نہیں بتانا چاہتے کہ بچوں کو کس طرح کے مضامین
لکھنے کے لئے دینے چاہئیں، اس کا ذکر کسی اگلے حصے میں آئے گا
لیکن صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ بچوں سے جو مضامین لکھوائے
جائیں وہ اُن کے لئے دلچسپ ہونے چاہئیں۔ اُن کا تعلق کسی
نہ کسی طرح اُن کی زندگی، مشاہدے اور ذاتی تجربے سے ہونا چاہئے
معلّم کو اُن کی عمر، لیاقت، معلومات، دلچسپی اور دماغ کے نفسیاتی
ارتقا کا خیال رکھ کر انہیں لکھنے کے لئے مضمون دینا چاہئے۔ اوپر
جتنی مثالیں دی گئیں۔ ان میں سے کسی میں، ان میں ایک خصوصیت
بھی موجود نہیں۔

اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ موجودہ طریقوں میں تبدیلی
کر کے مضمون نگاری کو اتنی ترقی دی جا سکتی ہے کہ بچوں میں لکھنے
کی اچھی خاصی مشق اور صلاحیت پیدا ہو جائے، یہاں تک کہ وہ

اچھے ادیب اور انشا پرداز بن جائیں تو ہم یہ کہیں گے کہ مدرسے کی تعلیم کا مقصد صرف ادیب یا انشا پرداز بنانا ہی نہیں بلکہ موجودہ زمانے کی ضروریات کا تقاضہ ہے کہ اُن کی مختلف قوتوں کو بیدار کیا جائے اور انھیں زیادہ سے زیادہ ترقی کرنے کا موقع دیا جائے۔ وہ اچھے مقرر ہوں، اچھے نقاد ہوں، اچھے ادیب اور انشا پرداز ہوں اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ سوسائٹی کے ایسے افراد ہوں جن سے مل کر لوگ خوش ہوں جن کی صحبت میں بیٹھ کر، اپنے وقت کو دلچسپ طریقے سے گزار سکیں۔

اب دیکھیے کہ ہمارے مدرسے سے نکلنے والے بچوں کی کیا حالت ہے۔ وہ دس گیارہ برس تک اپنا خون پسینہ ایک کرکے، ہر سال ایک امتحان پاس کرتے ہیں، بیسیوں کتابیں رٹ رٹ کر اپنا دماغ خالی کر لیتے ہیں۔ راتوں کو جاگ کر تندرستیاں خراب ہو جاتی ہیں اور ان قربانیوں کے بدلے میں انھیں ملتا کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ اُن میں اس بات کی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ کسی موضوع پر چھوٹی موٹی تقریر کرنا تو در کنار کسی موضوع پر تھوڑے بہت خیالات کا اظہار کر سکیں۔ اُن کی اپنی کوئی رائے نہیں، جو کچھ دوسروں سے سن رکھا ہے، اُسے اپنے لفظوں میں بیان کرنے کی قدرت نہیں۔ دو چار آدمیوں میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کی صلاحیت کا اُن میں نام تک نہیں۔ دلچسپ کو کیا تھوڑی دیر غیر دلچسپ

گفتگو بھی نہیں کر سکتے۔ لکھنے میں حالت اور بھی ناگفتہ بہ ہے۔ اپنی مادری زبان میں کسی موضوع پر ایک مسلسل صفحہ بھی نہیں لکھ سکتے املے کی غلطیاں کرتے ہیں۔ دس جملے لکھتے ہیں تو قدم قدم پر ٹھوکر کھاتے ہیں، اور اس کے باوجود بھی جملوں میں ربط تک نہیں پیدا کر سکتے۔ برخلاف اس کے اسی عمر کے وہ بچے، جنھوں نے تعلیم کے نئے طریقوں سے پرورش پائی ہے یا مغربی انداز کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کی ہے، ان کے مقابلے میں بجلی ہیں، اُن سے مل کے بات چیت کرکے، انسان کا جی خوش ہوتا ہے۔ اُنھیں اپنے مختصر اور محدود خیالات پر قدرت ہے۔ وہ بول کر اور لکھ کر دونوں طرح انھیں آزادی، روانی اور تسلسل کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں۔

یہ فرق کس لئے ہے؟ ہمارے بچوں میں زندگی کی یہ کمی اور دوسرے بچوں میں یہ تیزی کیوں ہے؟ اس کا جواب بہت سے لوگ تو یہ دیتے ہیں کہ وہ بچے ہمارے بچوں کے مقابلے میں فطرتاً تیز ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے جواب میں ماہرین نفسیات کے تجربے پیش کئے جا سکتے ہیں جن سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بچپن کے ابتدائی زمانے میں ہمارے بچے کسی طرح بھی، ان مغربی بچوں سے کم نہیں ہوتے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اُن کے والدین اور معلمین نے اُنھیں فطرت کے مطابق بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع دیا اور ہمارے بچوں کی زندگی میں قدم قدم پر زنجیریں ڈالی گئیں۔ اُن

کی فطرت مقید ہوکر رہ گئی اور رفتہ رفتہ اُن کی فطری صلاحیتوں کا کا گلا گھٹ گیا۔ اور جو زندگی بے کراں رہنے کے لئے بنی ہے وہ ایک جوئے کم آب بن کر رہ گئی ہے۔۔

اب چونکہ بظاہر یہ سب قربانیاں ہمارے نظام تعلیم کی خرابی کی وجہ سے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انھیں دور کیا جائے۔ دوسرے مضامین کے پڑھانے میں جو خرابیاں ہیں، وہ خود بخود دور ہو جائیں گی۔ اگر ہماری توجہ صرف مادری زبان کو بہتر بنانے کی طرف مبذول ہو جائے۔ مادری زبان کی انشا سے بچوں کی وہ تمام قوتیں ترقی کریں گی، جن کی کامیاب تعلیم میں اشد ضرورت ہے۔ ان قوتوں کی ترقی ہونے کے بعد تعلیم کے بلند مقاصد زیادہ آسانی سے حاصل کئے جاسکیں گے۔

ہم انشا کی مختلف شاخوں کو موجودہ طریقوں کے مطابق ترقی دے کر، کس طرح اپنے لئے مفید سے مفید بنا سکتے ہیں۔ اس کا ذکر ہم نے اگلے حصوں میں کیا ہے۔

(۳)

زبانی انشا

ہمارا مشاہدہ ہے کہ بچہ زندگی کے ابتدائی ۶ - ۷ سال تک بے حد چنچل رہتا ہے۔ اُس کی زندگی کے ہر شعبے میں ایک خاص قسم کی ترتیب ہوتی ہے۔ اُس کے تمام اعضا زندگی کی تیز بہتی ہوئی لہروں کے ساتھ ساتھ تیزی سے چلتے اور حرکت کرتے ہیں۔ اُس کے بدن کی پھرتی اُس کے ہاتھ پاؤں کی جان اور تیزی اُسے ، ذرا سی دیر کے لئے بھی نچلا نہیں بیٹھنے دیتی۔ اہم سے اہم کام کرتے وقت بھی اُس کا دماغ کسی نئی شرارت کے خیال کے مزے لیتا رہتا ہے ، اور زبان تو خدا کی پناہ قینچی کی طرح چلتی ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ کسی نئی چیز کو دیکھے اور اُس کے متعلق ، کیوں اور کیسے ، نہ کہے۔ اُس کی پرورش کرنے والے اکثر ان سوالوں کی زیادتی سے اُکتا جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ کوشش کے باوجود بھی ان سوالات کا صحیح اور موزوں جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن بچہ جوں جوں بڑھتا ہے ، اُس کے سوالات کی دنیا مختصر ہوتی جاتی ہے بہت کم چیزوں کے متعلق اُس کے ذہن میں کوئی ولولہ یا جوش پیدا ہوتا

ہے اور بہت کم موقعوں پر اُس کی زبان سے 'کیوں' اور 'کیسے' کے لفظ نکلتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اُس کی عمر ۱۴ - ۱۵ برس کی ہوتی ہے تو وہ اچھا خاصا گونگا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اوّل تو اُس کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، اور اگر پیدا بھی ہوتا ہے تو کوئی پوشیدہ طاقت اُسے اندر ہی اندر دبا دیتی ہے۔ آخر اس تبدیلی اور انقلاب کی کیا وجہ ہے؟۔ ممکن ہے لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اس عادت کا تعلق بھی بچے کے ذہنی اور نفسیاتی ارتقا سے ہے۔ حالانکہ بات بالکل اُلٹی ہے۔ بچے کے ماں باپ اور اُس کے معلّمین اگر بچّے کے نفسیاتی ارتقا کا خیال رکھیں اور اُسے بغیر روک ٹوک کے سوال کرنے اور آزادی سے گفتگو کرنے کا موقع دیں تو وہ ۱۳ - ۱۴ سال کی عمر میں اس قابل ہو جائے کہ سُننے والے اُس کی بات بات پر عش عش کریں۔ اور اب جو کچھ ہوتا ہے وہ اُس کے ارتقا کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔ بچے کے ذہن میں خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ چیزوں کو دیکھتا ہے، اُن کے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا ہے اور اس لئے اپنے بڑوں سے سوال کرتا ہے۔ عموماً یا تو اس کے سوالوں پر توجہ نہیں کی جاتی اور اگر اُن کا جواب دیا جاتا ہے تو اس طرح کہ اُس سے بچے کی سیری نہ ہو۔ اس لئے رفتہ رفتہ اُس کی اُبھرتی ہوئی اُمنگ اور بڑھتا ہوا جوش مردہ ہو جاتا

ہے۔ اور اس کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوتا کہ اُس کی بولنے کی قوتیں ترقی نہیں کر سکتیں بلکہ ایک مہلک اثر یہ ہوتا ہے کہ خیالات کی ترقی بھی مسدود ہو کر رہ جاتی ہے

زبان اور خیال میں جو گہرا تعلق ہے، اُسے بالکل محسوس نہیں کیا جاتا۔ اگر ہم اور ہمارے معلمین اس بات کو شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگیں کہ زبان اور خیال کی ترقی ایک دوسرے کے بغیر ممکن نہیں تو شاید ہماری آنے والی نسلیں تعلیم کے ایک بہت کارآمد اور مفید اثر سے اس طرح محروم نہ رہیں بچے نے ایک چیز دیکھی، اُس کے دل میں اُس کے متعلق کچھ خیال پیدا ہوا۔ اُس نے آزادی سے اُس کا اظہار کر دیا۔ اُس کے دل میں آئندہ اظہار خیال کا شوق پیدا ہوا۔ اس شوق سے اُس کی قوت تخیل بڑھی۔ اس قوت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اُسے لفظوں کے نئے خزانے کی جستجو ہوئی۔ لفظوں کے اس نئے خزانے کو استعمال کرنے کے شوق میں خیال کو پھر نئی راہیں نکالنے کا موقع ملا۔ غرض یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ زبان ترقی کرتی ہے، اُس کے ساتھ خیال میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ خیال کی وسعت کے ساتھ زبان ترقی کرتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بچے کی تخیل اور اُس کی قوت فکر کو ترقی دینے کے لئے ہم اُسے آزادی سے بولنے اور اظہار خیال کا موقع دیں۔

ہماری موجودہ سوسائٹی میں سب گھروں کی فضا ایسی نہیں
جس میں بچوں کی حسب دل خواہ تربیت ہو سکے۔ خصوصاً بچوں کی
قوتِ گویائی کو جس تربیت کی ضرورت ہے وہ گھروں میں اچھی طرح
نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے مدرسے اس
فرض کو اپنے سر لیں۔ اور بقول ایک انگریز ماہر تعلیم کے وہ یہ سمجھنے
لگیں کہ بچہ مدرسے میں صرف بولنا سیکھنے کے لئے آتا ہے
اور وہ بولنا صرف بولنے ہی سے سیکھ سکتا ہے۔ اب بچوں کو
بولنے کا موقع دینے کے لئے دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری
ہے۔

اوّل تو یہ کہ بچے آزادی سے صرف اسی موضوع پر اظہار
خیال کر سکتے ہیں جس میں انہیں دلچسپی ہو جسے وہ خود اچھی طرح محسوس
کر سکتے ہوں جس کا انھوں نے مختلف طریقوں سے تجربہ کیا ہو۔ اس
لئے ضروری ہے کہ بولنے کی سب مشقوں میں بچوں کی فطری دلچسپی اور
اُن تجربات، محسوسات اور جذبات کی محدود فضا کا سب سے زیادہ
خیال رکھا جائے۔ Finch نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اچھا Composition
خود ہماری زندگی کے تجربات سے پیدا ہوتا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بچے کچھ کہتے وقت یہ محسوس کریں کہ وہ جو کچھ
کہہ رہے ہیں اس میں سننے والا دلچسپی لے رہا ہے۔ وہ ان کا
ہم خیال ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس طرح کی سب مشقوں میں

بچوں کے مخاطب بچے ہی ہوں۔

بولنے کو مغربی مدرسوں میں، اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ ٹاملکنسن نے اس سلسلے میں مدرسے کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ "طالب علمی کے زمانے میں بچے کو صرف بولنے کے لیے زندہ رہنا چاہیئے اس لئے کہ آئندہ زندگی میں اُسے زندہ رہنے کے لئے بولنا ضروری ہے"

اس جملے سے مدرسے کی زبانی مشقوں کی اہمیت کا اندازہ دو مختلف پہلوؤں سے ہوتا ہے۔ اول تو یہ کہ بچوں کی ابتدائی زندگی میں بولنے کو اس لئے سب سے زیادہ جگہ دینی چاہیئے کہ بولنا مختلف قسم کی دماغی قوتوں کی نشو و نما میں بے حد مدد دیتا ہے۔ زندگی کے عام موضوع پر آزادی سے اظہار خیال کرنے سے خیال میں ایک ترتیب پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان جس چیز کے متعلق کچھ فکر کرنا چاہتا ہے، اس میں اس دماغی نشو و نما سے بے حد مدد ملتی ہے۔ ہماری سوچنے کی قوتوں کی تربیت ہو جاتی ہے۔ ہم میں آرٹ یا فن کی نزاکتوں کا صحیح احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیز خود بخود ہمارے مذاق کو بلند کرنے میں مدد دیتی ہے۔

ٹاملکنسن کے جملے کا دوسرا حصہ، ہماری پیچیدہ زندگی کے اُن اہم فرائض کی طرف اشارہ کرتا ہے جو سوسائٹی کے ہر فرد پر عائد ہوتے ہیں۔ زندگی کے جمہوری نظام میں قوم اور ملک کی

اجتماعی زندگی اور ہر فرد کی انفرادی زندگی میں آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اجتماعی افادہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہر فرد، قومی زندگی کے مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح نہ دینے لگے اور جب تک وہ یہ نہ سمجھنے لگے کہ قوم کی ترقی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنی ساری قوتوں اور قابلیتوں کا موزوں استعمال کر کے، اپنی خدمتوں کو قوم کے قدموں پر نثار نہ کر دے۔ دوسری طرف اُس کے ذہن میں یہ خیال بھی ایمان کی طرح مستحکم ہو کر بیٹھ جانا ضروری ہے کہ اُس کی ذاتی ترقی کا انحصار بھی قومی زندگی کی ترقی پر ہے مدرسے کا جہاں ایک طرف یہ فرض ہے کہ افراد کے دلوں میں یہ دونوں جذبات پیدا کرے وہاں دوسری طرف اس کا ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ وہ افراد میں وہ تمام قوتیں پیدا کرے جن کی بنا پر افراد، قومی افادات کے حصول میں زیادہ سے زیادہ مدد دے سکیں۔ وہ قوم کی سیاسی زندگی کو ذی روح اور پرجوش بنانے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ بچے ابتدا سے اچھے مقرر بنائے جائیں تاکہ وہ قومی حقوق کے حاصل کرنے اور انفرادی آزادی کی روح پھونکنے کے لئے، بامعنی اور موثر تقریریں کر سکیں۔

لیکن دوسروں کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے، صرف اچھا مقرر ہونا ہی کافی نہیں۔ اس لئے کہ انسان کو ہمیشہ پلیٹ فارم

پڑے تقریر کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ وہ مختلف طرح کی سوسائٹیوں
میں شریک ہوتا ہے۔ اپنے گھر میں، اپنے احباب کے محدود حلقے میں
اپنے شہریوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ لوگوں سے گفتگو کرتا ہے۔ اب
اگر اسے گفتگو کرنے کا فن نہیں آتا تو لوگوں پر اچھا اثر نہیں ڈال سکتا
لوگوں کے دل اس کی طرف نہیں کھینچ سکتے۔ اور ممکن ہے کہ اس کمی
کی وجہ سے کبھی کبھی اس کی تقریروں سے بھی لوگ کوئی اثر نہ لیں۔
اس لئے ضروری ہے کہ ہر انسان علم مجلسی سیکھے۔ وہ لوگوں سے
مل جل کر ان پر ایسا اثر ڈالے کہ وہ اس کی گفتگو میں کشش اور
سحر محسوس کریں اور اس کے بعد جو کچھ وہ کہے، اس پر عمل کرنے
کی کوشش کریں۔

اسی سلسلے میں ایک تیسری چیز اور بھی ضروری ہے اور
وہ یہ کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہر فرد آزادی سے اپنے خیال کا اظہار
کر سکے، سیاسی اور سماجی مسائل پر صحیح رائے قائم کر کے کچھ
کہہ سن سکے تو ہمیں کوشش کرنی چاہئیے کہ وہ دوسروں کی رائے
کا احترام کرنا سیکھے۔ جو کچھ دوسرا کہے اسے سمجھ کر سن سکے اور ہمدردی
کے ساتھ اس کے ہر پہلو پر غور کر سکے۔ اس لئے معلم کا فرض یہ بھی
ہے کہ وہ اپنے طالب علموں میں دوسروں کو سننے اور سمجھنے کی صلاحیت
پیدا کرے۔

اس لئے زبانی انشا کے تین بالکل ابتدائی مقصد یہ ہوں گے

کہ ہم بچوں کو اچھا مقرر بنائیں۔ انھیں علم مجلسی سکھائیں اور اُن میں دوسروں کو سننے اور سمجھنے کی عادتوں کو ترقی دیں۔

زبانی انشا کس طرح تحریری انشا، مضمون نویسی اور تنقید میں مدد دے سکتا ہے، اس کا ذکر تو ہم آگے چل کر کریں گے، اس جگہ صرف یہ بتانا ہے کہ اگر ہم بچوں میں بولنے کی قوت کو ترقی دینا چاہتے ہیں تو ہمیں کس طرح کی مشقوں سے مدد لینی چاہیئے۔

بچوں کو فطرتاً تصویریں بے حد پسند ہوتی ہیں۔ معلم کو چاہیئے کہ اُن کی اس فطرت سے فائدہ اُٹھائے۔ ابتدائی درجوں میں زبانی انشا کی بہت سی مشقوں کی بنیاد تصویروں پر رکھی جاسکتی ہے اور بالکل ابتدائی درجوں سے مدرسے کے آخری درجے تک تصویروں کی مدد سے انشا کی دلچسپ، مفید اور کارآمد مشقیں جاری رکھی جاسکتی ہیں۔ مثلاً بالکل ابتدائی درجوں میں تصویریں دکھا کر بچوں سے پوچھا جاسکتا ہے کہ تمھیں تصویر میں کون کون سی چیز دکھائی دے رہی ہے۔ جب وہ چیزوں کے نام بتانے لگیں تو ان چیزوں کی صفات پوچھی جاسکتی ہیں اور اس کے بعد تصویروں میں جو مختلف جاندار چیزیں ہیں اُن کے متعلق پوچھا جاسکتا ہے کہ وہ کیا کیا کر رہی ہیں۔

اور آگے چل کر، ان تصویروں کے متعلق کچھ اشارات دے کر لڑکوں سے وہ کہانی کہلوائی جاسکتی ہے جو تصویروں میں دکھائی گئی ہے۔ اس سے بھی آگے چل کر زیادہ اونچے درجوں میں، تصویر کے

اشخاص کے درمیان ایک فرضی مکالمہ کرایا جا سکتا ہے اور درجے کے مختلف لڑکے اس میں نمبروار حصہ لے سکتے ہیں۔

تصویر کے بعد، دوسری چیز جس سے بچوں کو بے حد دلچسپی ہوتی ہے کہانی ہے۔ انھیں کہانی سننے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ اور اُن کے لئے اس سے زیادہ دلچسپ اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ خود دوسروں کو کہانی سنائیں۔ کہانی کی مختلف قسمیں ہیں۔ اور اُس کے کہنے کے مختلف طریقے ہیں۔ ہوشیار مدرس بالکل ابتدائی درجوں سے لے کر مدرسے کے آخری درجے تک محض کہانی کی مدد سے لڑکوں کو بولنے کی مشقیں کرا سکتا ہے۔

چھوٹے درجوں میں بچوں سے کہا جائے کہ وہ کتاب میں پڑھی ہوئی کہانی کو اپنے درجے کے لڑکوں کے سامنے بیان کریں۔ ذرا آگے چل کر، ایک ہی کہانی کے مختلف حصے، مختلف بچوں سے کہلوائے جا سکتے ہیں کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی کہانی کی ابتدا معلم خود بیان کر دے۔ اور لڑکوں سے کہے کہ اُس کہانی کو پورا کریں۔ پڑھی ہوئی کہانیوں کے علاوہ، لڑکوں کو خود اپنی طرف سے کہانیاں بنا کر، کہنے کی بھی مشق کرانی چاہئے۔ لڑکوں سے کچھ دن پہلے سے کہہ دینا چاہئے کہ وہ کہانیاں سوچیں اور ایک مقررہ دن اپنے ساتھیوں کو سنائیں۔ اونچے درجوں میں کہانی کا مختصر خاکہ یا پلاٹ دے کر، اُس پر لڑکوں سے کہانیاں کہلوائی چاہئیں۔

بولنے کی مشق کرانے کا ایک خاص طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لڑکے جو عبارت پڑھیں اُسے اپنے لفظوں میں بیان کریں۔ کبھی کبھی ایسا کیا جا سکتا ہے کہ ایک مختصر سا خیال دے دیا جائے اور پھر اُسے رفتہ رفتہ لڑکوں سے بڑھوایا جائے۔ اس سے۔ اُن میں بولنے کی مشق کے علاوہ، فکری قوت میں بھی اضافہ ہوگا۔

ان چیزوں کے علاوہ، ایک خاص طرح کی مشقیں، جن سے مغرب کے مدرسوں میں بہت کام لیا جاتا ہے، وہ ہیں جن میں بچے مختلف طرح کے مکالموں میں حصّہ لیتے ہیں۔ ابتدائی درجوں میں تو یہ مکالمے، اُن کہانیوں میں سے لئے جاتے ہیں جو بچے اپنی درسی کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ لیکن آگے چل کر، انھیں بے حد دلچسپ بنایا جا سکتا ہے۔ ان سے فکر اور تخئیل کی ترقی بھی ہوتی ہے اور اظہار خیال کی قوتیں بھی برابر بڑھتی ہیں۔ لیکن اس طرح کے مکالموں میں ایک بات جس کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے یہ ہے کہ ان کے موضوع بجائے خود بے حد دلکش ہونے چاہئیں۔ تاکہ ان میں لڑکوں کو فکر کا بھی موقع ملے اور وہ انھیں دلچسپ بھی بنا سکیں۔ محض انھیں دیکھ کر ہی اُن کی مختلف دماغی قوتیں ایک جگہ جمع ہو کر متفقہ طور پر عمل پیرا ہوں۔ مثلاً اس طرح کے موضوع ایسی مشقوں کا کام دے سکتے ہیں۔

(۱) باتونی اور کم سخن آدمی کے درمیان۔

(۲) چور اور بوڑھے مالک مکان کے درمیان
(۳) دو ایسے آدمیوں کے درمیان جن میں سے ایک گھوم پھر کر اپنے عزیزوں کا ذکر چھیڑنا چاہتا ہے اور دوسرا اس موضوع کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔
(۴) دو ایسے آدمیوں کے درمیان، جو ایک دوسرے کی بات سُننا ہی نہیں چاہتے۔
(۵) ایک چور اور چور کے لباس میں ایک جاسوس کے درمیان۔
(۶) دو ایسے جاسوسوں کے درمیان جو چوروں کا لباس پہنے ہوئے ہیں، اور ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔
(۷) ایک آدمی کے دونوں ہاتھوں کے درمیان۔

اچھے اُستاد ذرا سی غور کے بعد اس طرح کے اور دلچسپ موضوع سوچ سکتے ہیں۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اس طرح کی مختلف مشقیں، دلچسپ ہونے کی وجہ سے، بچوں کو اپنی طرف کھینچیں گی اور انھیں فکر اور اظہار خیال کا موقع ملے گا لیکن محض یہی مشقیں انھیں اچھا مقرر اور صاحب مجلس نہیں بنا سکتیں۔ ان چیزوں سے کسی حد تک اُن میں دوسروں کے خیالات سننے کی عادت تو ضرور ہو جائے گی لیکن یہ عادت ممکن ہے، اُس وقت کام نہ آئے جب کہنے والا کوئی اہم یا مشکل بات کہہ رہا ہے۔ اس لئے

بچوں میں بولنے کی آزادی اور بے باکی پیدا کر دینے کے بعد یہ بھی ضروری ہو کہ انھیں اچھا مقرر بناتے، علم مجلسی جاننے، اور دوسروں کی باتوں کو دلچسپی سے سننے کا بھی عادی بنایا جائے۔

تقریر سکھانے کی مشقوں میں بھی اور مشقوں کی طرح بہت سے مدارج ہونے چاہئیں۔ اچھا مقرر ہونے کے لئے ضروری ہو کہ بولنے والے میں آزادی اور بے باکی ہو اس کے علاوہ اُس میں اپنے خیالات کو ترتیب دینے کی قوت ہو، اُس کے الفاظ میں وزن اور زور ہو۔ اور ان سب سے زیادہ یہ کہ تقریر میں اثر ہو۔ ان میں سے پہلی چیز تو دوسری طرح کی مشقوں سے حاصل ہو سکتی ہو لیکن باقی باتیں پیدا کرنے کے لئے طرح طرح کی مشقوں سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

اس کی ابتدا سب سے پہلے تو اس طرح کی جا سکتی ہے کہ بچے انشا کے گھنٹے میں، اپنے چنے ہوئے موضوع پر دو منٹ یا تین منٹ تک تقریر کریں۔ یہ مشق ابتدائی دو تین سال تک جاری رہنی چاہئے۔ آگے کے درجوں میں چل کر اُن سے مختلف موقعوں کے لئے آسان تقریریں کرائی جا سکتی ہیں۔ مثلاً کسی دوست کے رخصت ہوتے وقت یا کسی کو مبارک باد دیتے وقت۔ زیادہ اونچے درجوں میں یہ کرنا چاہئے کہ ایک موضوع پر دو یا تین منٹ کی تقریریں موضوع کے خلاف اور موافق کرائی جائیں اور رفتہ رفتہ انھیں

دیا تین منٹ سے بڑھا کر پانچ چھ منٹ تک کر دیا جائے۔
علم مجلسی سکھانے کے لئے بھی دلچسپ سے دلچسپ مشقیں بنائی جا سکتی ہیں، اور اس طرح کی تمام مشقوں میں ڈرامائی عنصر شامل کرکے انھیں بچوں کی زندگی کے بالکل مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً درجے کے کچھ لڑکے کھانے کی میز پر بیٹھیں اور کھانے کے درمیان اُن میں سے ہر ایک نمبر وار کوئی دلچسپ لطیفہ یا کہانی شروع کرے۔ اس طرح کی مشقیں کرنے سے لڑکوں میں مزاح کا صحیح اور لطیف مذاق پیدا ہوگا۔ اس کے علاوہ کھانے کی میز پر مختلف موقعوں پر کیا کیا باتیں کہنی چاہئیں، اس بات کی تعلیم بھی اس طرح دی جا سکتی ہے۔ مثلاً میز پر پانی کا گلاس گر پڑے یا ہاتھ سے روٹی چھوٹ کر زمین پر گر پڑے۔ ایسے موقع پر ان چیزوں کا گرانے والا بے حد شرمندہ ہوتا ہے اور محفل میں ایک طرح کی بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بچوں کو ایسی تعلیم دینی چاہئے کہ ان موقعوں پر کچھ دلچسپ فقرے کہہ کر انھیں مزید دلچسپی کا باعث بنالیا۔ اس طرح کے فقرے کچھ تو بچوں کو سکھائے جا سکتے ہیں اور کچھ عادی ہونے کے بعد وہ خود بھی سوچ سکیں گے۔ آداب گفتگو اور آداب معاشرت سکھانے کے لئے بھی درجے میں چھوٹے چھوٹے ڈرامے کئے جا سکتے ہیں، جن میں لڑکوں کو یہ سکھایا جائے کہ کسی کے آتے وقت، کسی کے یہاں جاتے وقت، کسی سے رخصت ہوتے وقت

مختلف موقعوں پر کیا کیا کہنا چاہئے۔

زبانی انشا کی جن مشقوں کا ذکر اب تک کیا گیا، اُن میں سے کسی کا تعلق، درجے کے دوسرے کاموں سے بالکل نہیں اچھے اُستاد جانتے ہیں کہ زبانی انشا ایسی چیز نہیں جسے لکھنے اور پڑھنے سے الگ رکھا جاسکے۔ ہر طرح کی مشقوں میں بولنے کی مشقوں کو بے حد اہمیت حاصل ہے اس لئے بچوں کی پڑھائی لکھائی اور اُن کے درجے کے سبقوں اور زبانی انشا میں ہر موقع پر ربط پیدا کرنا چاہئے۔ اس سے لکھنے کی مشقوں میں بھی مدد ملتی ہے۔ اور زبانی مشقوں کو بھی زیادہ مفید، کارآمد اور دلچسپ بنایا جاسکتا ہے۔

مثلاً تقریر سکھانے کے سلسلے میں جہاں اور باتوں کی ضرورت ہے وہاں ایک ضروری بات یہ بھی ہے کہ لڑکوں کو اپنے خیالات مرتب کرنے کی عادت پڑے۔ اس سے اُن خیالات میں صفائی بھی پیدا ہوتی ہے اور روانی اور زور بھی۔ خیالات میں انسان زبانی ترتیب دینے کا اُسی وقت عادی ہوسکتا ہے، جب وہ اشارات لکھ کر، اُن میں ترتیب پیدا کرسکے۔ اچھے مقرر عموماً یہی کرتے ہیں کہ تقریر کرنے سے پہلے اُس کے اشارات سلسلے وار لکھ لیتے ہیں اس لئے درجے میں اس طرح کی مشقیں بھی ہونی چاہئیں کہ لڑکوں کو کوئی خاص موضوع دے دیا جائے۔ اور اُن سے اس پر اشارات لکھوائے جائیں۔ ابتدائی درجوں میں اس کی ابتدا اس طرح کی جاسکتی

ہے کہ درجے میں کوئی موضوع لے لیا جائے۔ اُستاد، مختلف لڑکوں سے اُس موضوع کے متعلق مختلف اشارات پوچھ پوچھ کر انھیں تختۂ سیاہ پر لکھتا جائے، اور جب کافی اشارات ہو جائیں تو بچوں ہی کی مدد سے اُن میں ایک باقاعدہ تسلسل اور ربط پیدا کر دے کبھی کبھی یہ کرنا چاہیئے کہ مختلف لڑکوں کو موضوع دے دئیے جائیں اور اُن سے کہا جائے کہ وہ خوب سوچ کر اُس کے موافق اور مخالف اشارات لکھ کر لائیں۔ اس سے آگے چل کر یہ کیا جاسکتا ہے کہ لڑکوں سے تقریر یا بحث کے اشارات لکھوائے جائیں۔ اور پھر اُن سے کہا جائے کہ وہ اپنی تقریر کا پہلا اور آخری جملہ لکھیں۔ اس کے بعد اُن سے کہا جائے کہ وہ ان دونوں جملوں کو رٹ لیں۔ اور پھر اپنے لکھے ہوئے اشارات پر تقریر کریں۔ اس طرح لکھنے اور بولنے دونوں کی مشقوں کو ایک جگہ ملا دینے سے زبانی انشا کی تعلیم زیادہ مستحکم صورت اختیار کر لیتی ہے۔

کہانیاں اور ڈرامے جن سے زبانی انشا میں بے حد مدد ملتی ہے، تحریری مشقوں میں بھی کام میں لائی جاسکتی ہیں، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس موقع پر بھی دونوں طرح کی مشقوں کو ملا دینے سے ایک دوسرے کے کام میں بہت مدد ملتی ہے۔

بچوں کی پڑھائی کے سلسلے میں بھی زبانی انشا کی بہت مفید اور دلچسپ مشقیں ہو سکتی ہیں، مثلاً بچے اپنی کتابوں میں جو کچھ

پڑھیں، اُسے اپنے لفظوں میں اپنے ساتھیوں کے سامنے بیان کریں۔
جو کتابیں پڑھیں، اُن پر اپنی رائے قائم کریں۔ اور اُس رائے کا
اظہار وقتاً فوقتاً درجے میں کریں۔ اس سے اُن کی قوت تنقید میں
بھی اضافہ ہوگا۔ نئے طرز کے مدرسوں میں زبانی مشقوں سے
بچّوں کی قوت تنقید کو اُبھارنے اور اُسے ترقی دینے میں بہت
مدد لی جاتی ہے۔ اُنھیں لفظوں کی صحیح قدروں کا اندازہ ہوتا
ہے، تشبیہوں اور استعاروں کی ادبی قیمت کا پتہ چلتا ہے، انھیں
اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ لفظوں سے طرز بیان کے حسن میں کتنا اضافہ
ہو جاتا ہے۔

اس طرح کی مشقوں کی مختصر طور پر کچھ مثالیں دی جا سکتی ہیں۔
مثلاً لڑکوں کو کچھ لفظ دئے جائیں اور اُن سے اُن کے مرادف اور
متضاد الفاظ پوچھے جائیں۔ اُن کے سامنے اچھے لکھنے والوں
کی عبارتیں پڑھی جائیں، جنھیں دیکھ کر وہ محسوس کر سکیں کہ ہم معنی
اور متضاد الفاظ کی قدروں سے اچھے لکھنے والے کیا فائدہ اُٹھاتے
ہیں اور بات میں کتنا اثر پیدا کرتے ہیں۔ بچوں کو تشبیہ اور استعارے
کے صحیح استعمال سے واقف کرنے اور انھیں اس پر قادر بنانے
کے لئے مختلف طرح کی زبانی مشقیں استعمال کی جا سکتی ہیں۔
مثلاً چھوٹے بچوں سے کہا جائے کہ وہ اسموں کی موزوں صفات
دیں اور اس کے بعد رفتہ رفتہ ان صفات کو تشبیہات اور

استعارات سے بدلیں ۔ اس موقع پر ہم انگریزی کے مشہور معلم Finch کا وہ طریقہ لکھتے ہیں جو وہ عموماً اپنے درجے میں استعمال کیا کرتا تھا ۔ مثلاً اس دن اس نے یہ کیا کہ Daffodils کے خوبصورت پھولوں کا ایک گلدستہ لاکر اپنی میز پر رکھا ۔ درجے کے سب لڑکے ، ان کی شگفتگی اور خوب صورتی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ، پھر اس نے لڑکوں سے طرح طرح کے سوال کئے ۔ اس طرح لڑکوں سے کہا گیا کہ وہ ان پھولوں کی تعریف اپنے لفظوں میں کریں ۔ لڑکوں نے کچھ دیر بعد سوچ کر کہنا شروع کیا ۔

" پھول بہت خوب صورت ہیں ، بہت حسین ہیں ۔ بہت دلکش ہیں ، بہت خوشنما ہیں " جب انھوں نے پھولوں کے لئے اس طرح کی بہت سی صفات بیان کردیں تو معلم نے ان سے کہا کہ خوب صورت ، حسین اور دلکش اور خوشنما کے الفاظ تم DAFFODIL کے پھولوں کے علاوہ ، دوسرے پھولوں کے لئے بھی استعمال کرسکتے ہو ۔ پھولوں کے علاوہ بعض دوسری چیزیں جو تمہاری آنکھوں کو اچھی لگتی ہیں اور دل کو بھاتی ہیں ، خوب صورت ، حسین اور دلکش اور خوشنما بھی جا سکتی ہیں ۔ اس طرح ان کے ذہن میں لفظوں کی صحیح قیمت کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا ۔

اس کے بعد معلم نے لڑکوں سے پھولوں کا رنگ پوچھا ۔ کچھ

لڑکوں نے اُن کا رنگ بتایا۔ کچھ نے اُن کے رنگ کا مقابلہ کسی دوسری چیز کے رنگ سے کیا۔ اسے تشبیہہ کی ابتدا سمجھنا چاہئے تشبیہہ کے خیال کو اُستاد نے لڑکوں کی مدد سے رفتہ رفتہ بڑھایا۔ اور تشبیہات کا اچھا خاصہ خزانہ جمع ہو گیا۔

اس کے بعد معلّم نے کہا کہ اچھا اب پھولوں کے متعلق تمھارا جو کچھ خیال ہے بیان کرو۔ وہ تمھیں کیسے معلوم ہو رہے ہیں۔ لڑکوں نے اس سلسلے میں بھی مختلف باتیں کہیں۔

پھر معلّم نے کہا کہ گلدستہ کا مجموعی اثر تمھارے اوپر کیا پڑتا ہے۔ اُن کے متعلق ایک جملے میں کچھ کہو۔ کسی بچے نے کہا کہ کا گلدستہ سنہری گھنٹیوں کا ایک گچھا ہے۔ اس طرح کے فقروں سے اُن کے ذہن میں استعارے کے استعمال کی ابتدا ہوتی ہے اور انھیں تشبیہہ اور استعارے میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

اس کے بعد معلّم نے سوال کیا کہ ان پھولوں کو دیکھ کر تمھیں کس چیز کی یاد آتی ہے۔ اس کے لڑکوں نے مختلف جواب دیے کسی نے باغ کہا، اور کسی نے خدا۔

ان سب منزلوں کے بعد معلّم نے لڑکوں سے کہا کہ وہ پر ایک مضمون لکھیں۔ بچوں نے بے حد دلچسپ مضامین لکھے۔ آخر میں معلّم نے اُن مضمونوں کا آپس میں مقابلہ کیا۔

اور اُن کے سامنے Daffodils پر ورڈزورتھ کی مشہور نظم پڑھی۔ انھوں نے اس نظم میں بے حد لطف لیا۔

اس طرح کے سبق میں بچّوں کے زبانی انشا کے ساتھ ساتھ اُن کا لکھنے اور پڑھنے کا کام بھی جاری رہا۔ اور ان تینوں چیزوں نے مل کر، اُن کے جذبات اور فکر کو اور زیادہ اُجاگر کیا۔ ہمارے مدرس بھی آسانی سے اس طرح کی مشقیں اپنے درجے میں کرا سکتے ہیں اس مشہور اُستاد کے اس تجربے کو میں نے بھی بار ہا اپنے طالب علموں پر آزمایا ہے اور اس سلسلے میں مجھے اقبال کی نظم جگنو کے ابتدائی بندوں سے، اکبر اور شوق کی نظم تتلی سے بہت مدد ملی ہے۔

زبانی انشا کے سلسلے میں اب تک جو مثالیں دی گئیں، وہ صرف نمونے کے طور پر ہیں۔ اچھے معلم تھوڑی سے فکر اور غور کے بعد آسانی سے اس طرح کی بلکہ اس سے اچھی مشقیں خود بنا سکتے ہیں لیکن خیال صرف یہ رکھنا چاہئے کہ یہ بچوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوں اُن کے مذاق کے مطابق ہوں اور انھیں دلچسپ کھیل معلوم ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی فکر کی قوتوں کو ترقی کرنے کا موقع دیں۔

اس طرح کی مشقوں کی اہمیت کا اندازہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب اُن پر عمل کیا جائے اور بچوں کی تعلیمی زندگی کے بالکل ابتدائی درجوں سے آخری درجوں تک اُن سے برابر کام لیا جائے۔

زبانی انشا کے سلسلے میں ہم نے جتنی مشقوں کا ذکر کیا انھیں

دیکھ کر ممکن ہے بہت سے لوگ کہیں کہ یہ ہندوستانی بچوں کے لئے موزوں نہیں، اس لئے کہ وہ اس طرح کی مشقوں کے عادی نہیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انھیں عادی بنانے کا بھی تو صرف یہی طریقہ ہے کہ اُن سے اس طرح کی مشقیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں کرائی جائیں۔ انگریزی مدرسوں میں بھی یہ تجربات رفتہ رفتہ کئے گئے۔ وہاں کے بچے بھی ازل سے یہ سب چیزیں سیکھ کر نہیں آئے تھے۔ اُن کے سکھانے میں بھی اسی طرح کی دقتیں ہوئیں لیکن آخر میں کامیابی ہوئی۔ انگریزی کے مشہور معلم اور مشہور کتاب Playway کے مصنف Caldwell Cook نے اپنے بعض اس طرح کے دلچسپ تجربات کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ Cook نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کس طرح اُس نے ایک دفعہ اس بات کی کوشش کی کہ بچے زبانی انشا کے گھنٹے میں چھوٹی چھوٹی تقریریں کریں۔ اس کا حال خود اُسی کی زبانی سنئے:-

دسمبر ۱۹۱۴ء میں جب مجھے انشا سے بے حد دلچسپی تھی، میں نے کوشش کی کہ چھوٹے درجوں کے بچے، غیر مقررہ موضوع پر مختصر تقریریں کریں بچوں کے سامنے چونکہ اچھے لکھنے والوں کے نمونے موجود تھے اس لئے انھوں نے اُن کی نقل کرنے کی کوشش کی نتیجہ یہ ہوا کہ اُن میں سے ہر ایک کی تقریر خشک اور غیر دلچسپ رہی، اُسے صرف زبان اور طرزِ بیان میں ادبیت پیدا کر کے دلچسپ

بنانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ مجھے اپنے اس تجربے میں ناکامی رہی"

"آخر ایک دن میں نے ایک جماعت کے سب لڑکوں کو درجے سے نکالا۔ انھیں کھیل کے میدان میں لے گیا۔ ایک کرسی آئی، اور ایک لڑکے نے عورتوں کی آزادی، پر تقریر شروع کی۔ میں نے کوشش کی کہ باقی سب لڑکے اُس کی پر زور مخالفت کریں۔ اور بولنے والے سے طرح طرح کے سوالات کریں۔ اس کے بعد ایک دوسرا مقرر موضوع کے خلاف بولنے کے لئے کھڑا ہوا۔ لڑکوں میں خود بخود دلچسپی کی لہر دوڑنے لگی اور رفتہ رفتہ اتنا شور بڑھ گیا کہ مدرسے کے لوگوں کو شبہ ہونے لگا کہ کوئی لڑائی ہو گئی ہے۔

"لیکن اس کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ بیحد دلچسپ ہے۔ اس موضوع پر تقریریں ختم ہونے کے بعد ایک لڑکا کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کہ مجھے مچھلی کے شکار کے متعلق کچھ بولنے کی اجازت دی جائے۔ سب نے خوشی سے اجازت دی۔ لڑکے نے موضوع کو مناسب حصّوں میں بانٹا اور بے حد دلچسپ تقریر کی۔ لڑکوں نے اُسے پورے نمبر دئیے۔

اس کے بعد ایک لڑکے نے تقریر کی اور کہا کہ "گائے کو کس طرح دوہنا چاہئے"۔ لڑکوں نے اس تقریر میں بے حد دلچسپی لی۔ مگر چونکہ اُس نے ایک ایک بات کو کئی مرتبہ کہا تھا اس

لئے اُسے صرف سات نمبر ملے ۔"

اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ طریقہ جاری رہا ۔ ایک لڑکا ان تقریروں کے انتظام کے لئے مقرر کر دیا گیا ۔ اور اب انشا composition کے گھنٹے میں اس طرح کی تقریریں ہونے لگیں ۔

اس کے بعد مختلف دنوں میں جن جن موضوع پر تقریریں ہوئیں اُن کے عنوان یہ ہیں :-

(۱) پتنگ اڑانا
(۲) رومال کے فائدے
(۳) بالوں میں کنگھی کرنا
(۴) تیرنا سیکھنا
(۵) موٹر لاریاں
(۶) سڑک کے قاعدے
(۷) یونانی سنگ تراشی
(۸) رومیوں کی سنگ تراشی

اور آخر میں :-

(۱) جاپان
(۲) سمندر کے جہاز
(۳) بم کے گولے
(۵) لڑائی کی چالیں ۔

اور اس طرح کے پچاسوں بے حد اچھے موضوع پر طلبا نے دلچسپ اور پُر از معلومات تقریریں کیں۔ آپس میں نمبر دئے۔ اُن پر تنقید کی اور اُن کی اچھائیاں اور بُرائیاں بتائیں۔"

Cook کے اس طریقے کو میں نے بھی اپنی بعض جماعتوں میں آزمایا ہے اور مجھے اس میں امید سے زیادہ کامیابی ہوئی۔ جن بچوں کے متعلق اُن کے والدین کا خیال تھا کہ یہ گھر پر گونگے بنے رہتے ہیں ان سے ایک بات بھی سلیقے سے نہیں کی جاتی۔ انھوں نے چار پانچ مہینے کے اندر اتنی ترقی کی کہ اپنی جماعت کے سامنے اب اچھی خاصی تقریریں کرتے ہیں۔

(۴)

تحریری انشا

تحریری انشا کی ہماری آئندہ زندگی میں کتنی اہمیت ہے، اس کا مختصر ذکر ہم نے بالکل شروع میں کیا تھا۔ جس طرح بچوں کے لئے ضروری ہے کہ زبانی اپنے خیالات کا اظہار، روانی اور بے تکلفی کے ساتھ کر سکیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے خیالات کو لکھ کر اتنی روانی، بے تکلفی اور زور کے ساتھ بیان کرنے پر قادر ہوں کہ سننے والا اُن کے خیالات سے اثر لینے پر مجبور ہو۔ ان چیزوں کی انشا میں کیا اہمیت ہے اس کا ذکر ہم زبانی انشا کے سلسلے میں کر چکے ہیں۔ اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح یہ چیزیں تقریر میں ضروری ہیں اُسی طرح تحریر میں بھی ان کا خیال لازمی ہے۔ انگریزی کے مشہور نقاد Ballard نے ایک جگہ لکھا ہے کہ قبل اس کے کہ بچہ کچھ لکھے، اُس کے پاس کہنے کے لئے کچھ ہونا چاہیئے اور قبل اس کے کہ وہ اچھی طرح لکھ سکے، اُس کے پاس کوئی اہم اور بامعنی بات کہنے کے لئے ہونی چاہیئے۔

اس شرط کے لئے ضروری ہے کہ بچوں سے جو کچھ لکھوایا جائے

اُس میں اُنھیں دلچسپی ہو۔ جس چیز سے اُنھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوگی، جس چیز کے متعلق اُن کی معلومات اور اُن کے تجربات بالکل محدود ہوں گے اُس کے متعلق وہ کوئی دلچسپ مضمون لکھنا تو درکنار، شاید دوچار غیر دلچسپ جملے بھی نہ لکھ سکیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بچوں کو کچھ لکھنے کے لئے دینے سے پہلے، معلم اس بات کا یقین کرلے کہ جو کچھ اُنھیں لکھنے کے لئے دیا جا رہا ہے، وہ اُن کی زندگی کا جزو ہے۔ اُس کا تعلق اُن کے ذاتی اور گہرے تجربے سے ہے۔ اُس تجربے کے ہر جزو میں اُن کے لئے ایک روح اور دلکشی ہے۔ چونکہ معلم کے لئے اس بات کا یقین آسانی سے ممکن نہیں اس لئے انشا کے موضوع کا انتخاب خود لڑکوں ہی پر چھوڑ دینا چاہئے۔ جس چیز کے متعلق وہ زیادہ سے زیادہ دلکش باتیں لکھ سکنے پر قادر ہوں گے، اُسے اپنے مضمون کے لئے منتخب کریں گے اور پھر اس کے بعد جو کچھ لکھیں گے، اُس میں کچھ نہ کچھ جان ہوگی۔ بغیر ذاتی تجربے کے ہر چیز، بے روح اور بے کیف ہوتی ہے۔ اسی سلسلے میں ایک دوسری ضروری چیز یہ ہے کہ موضوع کا انتخاب ہو جانے کے بعد معلم بچوں کی جتنی رہبری ممکن ہو سکے کرے۔ اُنھیں سوچے ہوئے موضوع کے متعلق زیادہ سوچنے کا موقع دے۔ اُنھیں اُس کی ترتیب میں مدد دے۔ اور اُس کے بعد اُنھیں آزاد چھوڑ دے کہ جس وقت اور جس طرح چاہیں مضمون لکھیں۔ اس صورت میں معلم خود محسوس کرے گا کہ ہر بچے کا

مضمون ایک انفرادی کشش اور دلچسپی کا نمونہ ہوگا۔

لیکن قبل اس کے کہ تحریری انشا کے متعلق کسی اور بات کا ذکر کیا جائے، یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس کی مشقیں اور خاص طور پر مضمون نگاری، مدرسے کے کس درجے میں شروع کرنی چاہیئے، یا دوسرے لفظوں میں یہ کہیئے کہ بچوں کے پاس معلومات اور زبان کا کتنا خزانہ ہونا ضروری ہے کہ وہ آسانی سے تحریری انشا میں دلچسپی لے سکیں اور اُسے دوسروں کے لئے دلچسپ بنا سکیں۔ ہم نے ابھی بتایا ہے کہ بچے کسی چیز کے متعلق اُس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتے جب تک اُن کے پاس اُس خاص چیز کے متعلق معلومات کا اچھا خاصا ذخیرہ نہ ہو۔ لیکن اس کے علاوہ ایک ضروری بات یہ ہے کہ معلومات کے ذخیرے کے ساتھ ساتھ بچوں کے پاس اس کے اظہار کے لئے لفظوں کا خزانہ بھی ہونا چاہیئے۔ اس لئے تحریری انشا کی مشقیں صرف اس وقت شروع کرنی چاہئیں، جب معلّم کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ بچے کو اپنے معمولی خیالات کے اظہار میں کوئی رکاوٹ نہیں محسوس ہوتی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بے تکلفی کے ساتھ بیان کردیتا ہے۔ اور یہ قدرت اُسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب بچے کو ہمیشہ آزادی کے ساتھ بولنے کا موقع دیا جائے۔ زبانی انشا کی مشقیں کثرت سے کرائی جائیں۔ اور زبانی مشقوں میں کوشش کی جائے کہ رفتہ رفتہ بچے کو لفظوں کے استعمال پر قدرت

ہوتی جائے۔ اُسے اچھے اور بُرے لفظوں میں فرق محسوس ہونے لگے۔ اُس کے پاس ہم معنی لفظوں کا کافی خزانہ جمع ہو جائے۔ اُس کے لفظی خزانے میں اضافہ کرنے اور اُس کے دماغ میں لفظوں کی صحیح قیمت اور قدر کا احساس پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اُسے تحریری انشا میں بھی اس طرح کی مشقیں کثرت سے کرائی جائیں۔ اور جب معلّم کو اندازہ ہو جائے کہ وہ اب اس طرح کی مشقوں پر کافی قدرت حاصل کر چکا ہے تو پھر رفتہ رفتہ اُسے مسلسل طور پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دینا چاہئے۔

ان لفظی مشقوں کا اندازہ کیسا ہونا چاہئے اور ان کی مدد سے بچوں میں لفظوں کی صحیح قدروں کا احساس کس طرح پیدا کیا جا سکتا ہے، اس کے ظاہر کرنے کے لئے ہم مختصر طور پر اس جگہ اس طرح کی مشقوں کی مثالیں دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے ضروری یہ ہے کہ بچوں کو جتنے زیادہ لفظ معلوم ہوں بہتر ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچوں کو لفظ معلوم ہوتے ہیں لیکن چونکہ انھیں کبھی اس بات کا موقع نہیں ملتا کہ ان لفظوں کو ترتیب وار ایک جگہ جمع کریں یا انھیں استعمال کریں اس لئے وہ اُن کی زبانوں پر نہیں چڑھتے۔ وہ اُن کے دماغ میں موجود ضرور ہوتے ہیں لیکن ضرورت کے وقت یاد نہیں آتے۔ اس لئے معلّم کا فرض ہے کہ بچے کے بڑھتے ہوئے تجربے کے ساتھ ساتھ، وہ بچوں کے لفظی خزانے کو اُن کی زبان پر رواں اور جاری کرنے میں اُن کی مدد کرے۔ مثلاً ایک بچہ جس نے کئی مرتبہ ریل کا

سفر کیا ہے، اور جس نے اسٹیشن پر اور ریل میں طرح طرح کی نئی
نئی چیزیں اور باتیں دیکھی ہیں، اور غیر محسوس طور پر اُن کے نام بھی سیکھ
لئے ہیں، ان ناموں کو ضرورت کے وقت آسانی سے یاد نہیں کر سکتا
اس لئے اُستاد کو چاہئے کہ وہ اُسے اس طرح کے موقعے دے کہ
اپنی حاصل کی ہوئی معلومات کو یکجا کرنے کے علاوہ اپنے لفظی خزانے
کو زیادہ سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ اپنے دماغ میں جما سکے۔ درجے
میں اس طرح کی مشقیں آسانی سے ہو سکتی ہیں۔ بچوں سے کہا جا سکتا ہے
کہ انھیں اس قسم کی مانوس چیزوں کے متعلق جتنے لفظ معلوم ہیں، انھیں
ایک جگہ جمع کریں، ریل، مدرسہ، بازار، میلہ اور اس طرح کے بہتیرے
موضوع آسانی سے مل سکتے ہیں۔

اس قسم کی مشقیں ابتدا کے دو تین درجوں میں ہو سکتی ہیں، بالکل
شروع میں بچوں سے ان چیزوں کے متعلق صرف اسم پوچھے جائیں،
پھر اسموں کی صفات، پھر فعل اور اس کے بعد رفتہ رفتہ متعلقات
فعل۔

دوسری طرح کی مشقیں جو اب بھی مدرسوں میں عام ہیں یہ ہیں کہ
کچھ لفظ دے کر بچوں سے اُن کے ہم معنی الفاظ پوچھے جائیں لیکن
ان مشقوں کو زیادہ بہتر اور کارآمد بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ انھیں کچھ
جملے دئے جائیں اور کچھ خاص لفظوں پر نشان بنا کر اُن سے کہا جائے
کہ وہ ان لفظوں کو ہم معنی لفظوں سے بدلیں۔ اس طرح انھیں لفظوں

کی صحیح قدروں کا اندازہ بھی ہوتا جائے گا۔ اسی سلسلے میں بجائے
ہم معنی الفاظ پوچھنے کے متضاد الفاظ بھی پوچھے جا سکتے ہیں۔ اس
سے اُن کے لفظوں کے خزانے میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا۔ ان
مشقوں میں بھی پہلی قسم کی مشقوں کی طرح پہلے اسم دینے چاہئیں اور
اس کے بعد صفات اور فعل۔

ان مشقوں کے بعد یہ کیا جا سکتا ہے کہ بچوں کو کچھ اسم دے
جائیں اور اُن سے کہا جائے کہ ان کے پہلے مناسب صفات لگائیں
شروع میں بچے ان اسموں میں ایسی صفات لگائیں گے جو اس
مخصوص اسم کے علاوہ، دوسرے اسموں میں بھی لگائی جا سکتی ہیں
اس لئے اُن پر ان صفات کی صحیح قدریں ظاہر کرنے کے لئے، اُن
سے کہنا چاہئے کہ انھیں صفات کو دوسرے اسموں کے ساتھ
استعمال کریں۔ اس طرح کی تھوڑی سی مشقیں کرنے کے بعد طلبا میں
اس بات کا احساس پیدا ہو جائے گا کہ مخصوص لفظوں کے ساتھ کچھ
مخصوص صفات ہی استعمال کی جا سکتی ہیں اور ایک خاص اثر پیدا
کرنے کے لئے صرف ایک خاص صفت یا لفظ ہی سے کام لیا جا سکتا
ہے۔ اس خیال کو اور زیادہ مستحکم بنانے کے لئے معلّم کو چاہئے کہ بچوں
کے سامنے اچھے لکھنے والوں کے کلام کے نمونے پڑھے اور انھیں بتائے
کہ کس طرح ان لوگوں نے خاص خاص لفظوں سے اثر پیدا کئے ہیں۔

صفات کی مشقیں کرانے ہی کے سلسلے میں طلبا میں تشبیہات

اور استعارات کے استعمال کا خیال بھی پیدا کیا جا سکتا ہے اور
اس کی سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ بچوں کو کچھ جملے ایسے دئے
جائیں جن میں لفظوں کی جگہیں خالی ہوں اور وہ ان خالی
جگہوں کو مناسب لفظوں سے بھریں۔ شروع میں تو یہ مشقیں بہت
آسان قسم کی ہوں گی اور اُن میں صرف اسم، صفت اور فعل کی جگہ
خالی چھوڑی جائے گی لیکن دو تین درجوں کے بعد، اُنھیں زیادہ مشکل
بنایا جاسکتا ہے اور ان کی مدد سے، انھیں تشبیہات کی طرف متوجہ
کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ہم اُنھیں اس طرح کے جملے دیں:۔

(۱) رات کے وقت جگنو . . . . کی طرح چمکتا ہے۔
(۲) اُس کے ہاتھ ایسے نرم ہیں جیسے . . . .
(۳) اُس کے کپڑے . . . . کی طرح صاف ہیں۔
(۴) پان کھا کر اُس کے ہونٹ ایسے سرخ ہوگئے جیسے . . . .
(۵) اُس کے گھر کی دیواریں . . . . کی طرح چمک رہی تھیں۔

اس کے بعد اس سے بھی زیادہ مشکل قسم کی مشقیں ہو سکتی ہیں۔
جنھیں کرکے، بچوں میں صحیح لفظوں کے استعمال کا احساس رفتہ رفتہ پیدا
ہوسکتا ہے۔ ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں، ایک معنی تو بالکل صاف
اور سامنے کے ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ بعض موقعوں پر وہی
لفظ کسی دوسرے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی اس سے
ضرب المثل کا کام لیا جاتا ہے۔ لفظوں کے ان فرقوں کو ظاہر

کرنے کے لئے، بچوں کو اس طرح کہ مشقیں دینی چاہئیں کہ پہلے اُن سے کہا جائے کہ وہ ان لفظوں کو معمولی مفہوم میں استعمال کریں اور اس کے بعد، دور کے مفہوم میں۔ لیکن اس طرح کی مشقیں کرانے سے پہلے مثال کے طور پر کچھ مشقیں معلّم کو خود زبانی کروا دینی چاہئیں تاکہ اُن کا صحیح مفہوم اور مقصد اُن کے ذہن نشین ہو جائے۔

ان مشقوں کے بعد، درجے میں مختلف طرح کے مسلسل مضمون نگاری کی مشقیں لڑکوں سے کرائی جا سکتی ہیں۔ ان مشقوں میں مضمون نگاری افسانہ نویسی، مکالمے، خط اور ڈائریاں وغیرہ شامل ہیں۔ اور معلّم ان میں سے ہر ایک کو انشا کا موضوع بنا سکتا ہے لیکن سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ان مشقوں کی ابتدا کس وقت ہونی چاہئے اور ان میں سے کون سی مشقیں کس درجے میں کرانی چاہئیں۔ مضمون نگاری خاص طور پر ایسی چیز ہے، جس میں بیانیہ Descriptive تفصیلی Narrative تخئیلی Imaginative ہر طرح کے مضمون شامل ہیں اور اس کے متعلق معلّم کے لئے یہ سوچنا دشوار ہے کہ وہ کس درجے کے لڑکوں سے کیسے مضمون لکھوائے کس درجے میں کہانیاں، خط اور مکالمے لکھوانے شروع کرے اور انھیں کس طرح رفتہ رفتہ شکل بنائے۔ آج کل ہمارے مدرسوں میں اس لحاظ سے کوئی اصول نہیں برتا جاتا۔ حالانکہ جہاں تعلیم کے ہر شعبے میں اصول کی پابندی ناگزیر ہے، وہاں انشا میں اس

کی پابندی کے بغیر قطعی کام نہیں چل سکتا۔ انشا سے اور خصوصاً تحریری انشا سے اُس وقت تک کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جب تک ہم اُسے بچے کی نفسیاتی ترقی کے مطابق نہ بنائیں۔ بچوں کے دماغوں میں ادراک، فہم اور فکر کی قوتیں، عمر کے ساتھ رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہیں اگر ہم ان باتوں کو ذہن میں رکھ کر انشا کی مشقیں بنائیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمیں درجوں میں لفظوں کی مختلف قسم کی مشقوں کے بعد، بیانی Descriptive انشا کی ابتدا کرنی چاہئے۔ بیانی انشا کے بھی مختلف مدارج ہو سکتے ہیں، بہت چھوٹی عمر کے بچوں سے لے کر مدرسے کی آخری جماعت کے بچوں تک اُن سے مختلف قسم کی مشقیں کرائی جا سکتی ہیں۔

بچے چونکہ فطرتاً سب سے پہلے چیزوں کو غور سے دیکھتے ہیں، اس لئے اُن کی معلومات صرف چیزوں ہی تک محدود ہوتی ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ چیزوں کے بعد آدمیوں کو جاننا اور پہچاننا شروع کرتے ہیں اور ہوتے ہوتے اُن کی ملاقاتوں کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ وہ ایک آدمی اور دوسرے آدمی میں فرق کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ انھیں اُن کے لباس، اُن کی شکل صورت، اُن کی حرکات اُن کی عادات اور اُن کی کردار کے متعلق زیادہ سے زیادہ باتیں معلوم ہوتی جاتی ہیں اور پھر ایک زمانہ ایسا آتا ہے جب وہ آسانی سے، ان لوگوں کے متعلق صفائی کے ساتھ خیالات کا اظہار کر سکتے

ہیں ۔

آدمیوں کے بعد، رفتہ رفتہ اُن کی معلومات، مقامات کے متعلق بھی بڑھنی شروع ہوجاتی ہیں۔ اور سب سے آخر میں اُن میں اپنے اور دوسروں کے خیالات کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اور وہ اُنھیں سمجھ کر، اپنی زبان اور قلم سے، اُن کا اظہار کرسکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بیانیہ انشا کی مشقوں میں سب سے پہلے بچوں سے چیزوں کے متعلق کچھ لکھوایا جائے۔ اُس کے بعد آدمیوں کے متعلق پھر مقامات کے متعلق اور پھر اُن کے اپنے خیالات کے متعلق۔

چیزوں کے متعلق جو مضمون لکھوایا جائے اُس کے کئی طریقے ہوسکتے ہیں۔ مثلاً پہلے یہ کیا جائے کہ لڑکوں کے سامنے درجے میں کوئی چیز رکھ دی جائے۔ اور اُسے تھوڑی دیر کے بعد ہٹا لیا جائے۔ اور لڑکوں سے کہا جائے کہ اُس چیز کی تفصیل بیان کریں۔ پھر رفتہ رفتہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ محض اپنے حافظے کی مدد سے، درجے کے باہر دیکھی ہوئی چیزوں کی تفصیل لکھنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد اس طرح کی مشقوں کو دلچسپ اور زیادہ مفید بنانے کے لئے، یہ کیا جاسکتا ہے کہ اُن سے کہا جائے کہ وہ کسی چیز کی تفصیل بغیر اُس کا نام لئے بیان کریں اور اُس کی تمام خصوصیات کو اس طرح بیان کریں کہ سُننے والا، اُس کا نام سُنے بغیر بھی سمجھ جائے کہ یہ کس چیز کا ذکر کیا جارہا ہے۔

چیزوں کے بعد، آدمیوں کا ذکر ہونا چاہیے۔ لڑکے ۔۔۔ لکھے

ہوئے آدمیوں کی شکل وصورت، لباس، چال ڈھال اور دوسری
ظاہری خصوصیات کو اس طرح بیان کریں کہ اُس کی پوری تصویر ذہن
کے سامنے آجائے۔ اس سلسلے میں معلم یہ کرسکتا ہے کہ وہ درجے کے
مختلف لڑکوں سے کہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے متعلق مضمون لکھیں اور
اُس میں اُن کا نام نہ لیں۔ یہ مضمون درجے میں پڑھے جائیں اور
اگر اُن کی مدد سے دوسرے لڑکے سمجھ جائیں کہ کس خاص آدمی کا ذکر
کیا جارہا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ مضمون کامیاب ہے ورنہ نہیں۔

اس کے بعد مضمون میں مقامات اور دن اور رات کے مختلف
حصّوں کی تفصیلات بیان کروائی جاسکتی ہیں۔ لیکن یہ یقین کرنے کے
لئے کہ لڑکوں میں ان چیزوں کو صحیح طریقے سے بیان کرنے کی قدرت
پیدا ہوگئی ہے یا نہیں، یہ کرنا چاہئے کہ درجے میں صبح، شام، رات
دوپہر کے متعلق کچھ نامکمل جملے دئے جائیں اور لڑکوں سے کہا جائے
کہ وہ انھیں پورا کریں۔ طلبہ ان جملوں کو اُس وقت تک ہرگز نہیں پورا
کرسکتے جب تک انھیں ان کی تفصیلات کا صحیح اندازہ نہ ہو۔ اس لئے
اس طرح کی مشقوں سے، بچوں کی قوت بیان کا صحیح اندازہ بھی
ہوسکتا ہے۔ مناظر فطرت کی صحیح مصوری کو اس قسم کی مشقوں کے بعد
رفتہ رفتہ درجوں میں رائج کیا جاسکتا ہے

اس کے بعد آخری درجوں میں، ایسے مضامین لکھوانے چاہئیں
جن میں مختلف چیزوں کی حرکت کی تفصیل بیان کی جاسکے۔ زندگی

ہیں جو طرح طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، اُن کا ذکر بچوں کے لئے بے حد دلچسپ ہوتا ہے لیکن جب تک وہ اُسے خود بیان نہ کریں انہیں اس کی صحیح دلکشی کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس طرح کی مشقیں جتنی کثرت سے ممکن ہوں کرائی جائیں۔ ہم اس جگہ مثال کے لئے کچھ موضوع لکھتے ہیں، جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ خود بچوں کی زندگی سے کتنے دلچسپ قسم کے موضوع تلاش کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) اسٹیشن کا سماں، گاڑی کے روانہ ہوتے وقت۔

(۲) دو لڑکوں کے درمیان لڑائی۔

(۳) کسی ڈوبتے ہوئے یا جلتے ہوئے آدمی کو بچانے کا منظر

(۴) بنئے کی دوکان کی بھیڑ

(۵) چھٹیوں کے لئے، گھر جانے کا دن، مدرسے میں

(۶) گاڑی کے وقت کسی شخص کے دیر میں پہنچنے کا منظر

(۷) اندھیری رات میں اکیلے گھر جانا۔

(۸) کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر جاگنا۔

اس قسم کے بیانیہ مضامین میں اگر بچے تخئیل کا عنصر شامل کرلیں تو یہ مضامین اور بھی زیادہ دلچسپ ہو سکتے ہیں اس لئے ان میں اس قوت کے ابھارنے اور اسے ترقی دینے کے لئے، دلچسپ قسم کی مشقوں سے مدد لینی چاہئے۔ مثلاً اگر لڑکے مندرجہ ذیل موضوع

پر مضامین لکھیں، تو ذرا سی فکر کے بعد انھیں بے حد دلچسپ بنا سکتے ہیں :-

(۱) وہیل مچھلی پر سواری

(۲) ایک دوا کا انکشاف جس سے آدمی کا وزن بالکل غائب ہو جائے۔

(۳) ایک رات کا دلچسپ خواب۔

(۴) ایک ایسے آدمی کی زندگی جس نے تین آدمیوں کو ڈوبنے سے بچایا، لیکن اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

اس کے علاوہ ایسے مضامین جو محض اپنے حافظے کی مدد سے لکھے جا سکتے ہیں اُن کا انداز قریب قریب ایسا ہونا چاہئے۔

(۱) باغ، جو تمھیں سب سے زیادہ پسند ہے

(۲) تمھارے پالتو، طوطے، بلی یا کتے کی عادات۔

(۳) سب سے خراب دعوت جس میں تم شریک ہوئے ہو۔

(۴) تمھاری زندگی کا سب سے خطرناک واقعہ

(۵) کوئی دلچسپ میلا۔

(۶) ریل گاڑیوں میں لوگ کیسی کیسی حرکتیں کرتے ہیں۔

اچھے مضمون کس طرح لکھنے چاہئیں اور اُن میں کیا خاص بات ہونی چاہئے، اس کا احساس بچوں میں پیدا کرنے کے لئے اُنھیں کبھی کبھی اچھے لکھنے والوں کے مضمون پڑھ کر سنانے چاہئیں۔

لیکن اس سے زیادہ ضروری دو ایک باتیں اور ہیں - بچے اس وقت تک اچھے مضامین نہیں لکھ سکتے، جب تک انھیں لکھنے کی خاص مشق نہ ہو۔ اس لئے ان مختلف موضوعات پر مضامین لکھوانے سے پہلے انھیں لکھنے اور سوچنے کی مشق کرانی چاہئیے۔ اُنھیں بتانا چاہئے کہ مضمون کی ابتدا اور اُس کے خاتمے کا دلچسپ ہونا کیوں ضروری ہے۔ یہ باتیں اُن پر صرف زبانی ظاہر کرنے سے کام نہیں چل سکتا بلکہ معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان سے طرح طرح کی مشقیں کروائے۔

اسی سلسلے میں سب سے پہلے یہ کرنا چاہئے کہ طلبہ کو کچھ موضوع دے دئے جائیں اور اُن سے ان موضوعات پر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لکھوائے جائیں۔ چھوٹے ٹکڑے لکھنے میں کئی فائدے ہیں ایک تو سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ بچے انھیں کئی کئی مرتبہ پڑھ کر اُن میں برابر تبدیلیاں کر سکتے ہیں اور اُنھیں زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنا سکتے ہیں اگر بچپن میں اُن میں یہ عادت پڑ گئی تو آئندہ چل کر بھی وہ اپنے مضمون کو لکھ کر کئی کئی مرتبہ پڑھیں گے اور اُسے بہتر سے بہتر بنائے بغیر اُنھیں تسکین نہیں ہوگی۔ بظاہر یہ چیز بے کار سی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو بچپن کی یہ عادت آگے چل کر بہت مفید ثابت ہوتی ہے اور اس کا نہ ہونا، زندگی کے مختلف شعبوں میں مضر ثابت ہوتا ہے۔ بڑے ہو کر لڑکے، جو

جی میں آتا ہی لکھتے ہیں اور اُسے چست بناتے وقت اُن کا جی گھبراتا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آگے چل کر اُس گروہ میں شمار ہونے لگتے ہیں جسے عام طور پر جرنلسٹ کہا جاتا ہے۔ اس مشق سے دوسرا خاص فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چھوٹی سی عبارت میں کسی چیز کے متعلق کچھ لکھنے پر مجبور کر دیا جائے تو وہ کافی غور اور فکر سے کام لے گا اور اپنے خیالات کو مجتمع کرنے کا عادی ہو جائے گا اور یہ چیز آگے چل کر اُس کے لئے بڑے کام کی ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ بچوں کو موضوع دے کر اُن سے ان مضامین کی دلچسپ ابتدا اور خاتمہ لکھوانا چاہیئے۔ اس عادت سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ ہمیشہ دلچسپ ابتدا کرنے کے بعد پڑھنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیں گے اور دلچسپ خاتمے کے بعد اُس پر اچھا اثر چھوڑیں گے اور دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اچھی ابتدا کے بعد اُن کا جی خود بخود چاہے گا کہ وہ مضمون کے باقی حصے کو بھی اتنا ہی دلچسپ بنائیں۔

ان عادتوں کو بچوں میں زیادہ راسخ کرنے کے لئے اچھے مدرسوں میں ایک اور طرح کی مشقیں کرائی جاتی ہیں۔ ابتدا میں بجائے کسی موضوع پر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لکھوانے کے مختصر مضامین لکھوائے جاتے ہیں۔ اور ان پر دس منٹ یا ۱۵ منٹ سے زیادہ نہیں دئے جاتے۔ اس طرح کے مضامین سے کئی فائدے ہوتے ہیں۔ اول تو

یہ کہ لڑکوں میں تھوڑے سے وقت میں کسی موضوع پر فکر کرنے کی عادت
ہوجاتی ہے، وہ اپنے خیالات میں ترتیب دینے کے عادی ہوجاتے
ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ان مختصر مضامین کو کئی کئی مرتبہ پڑھ کر
اُن میں برابر تبدیلیاں کرکے انھیں اچھے سے اچھا بنانے کی عادت
ڈال لیتے ہیں۔ یہ عادت آئندہ چل کر اُن کے لیے بہت مفید
ثابت ہوتی ہے۔ بیانیہ مضامین اور اس کی مختلف مشقوں کو ابتدائی
کے درجوں سے آخری درجوں تک جاری رکھا جاسکتا ہے لیکن اس کے
لیے بالکل ابتدائی درجوں سے نکل کر، لڑکوں کو مختلف طرح کی تفصیلی
کمپوزیشن کی مشقیں بھی کرانی چاہئیں۔ اس قسم کی مشقوں میں، مضامین
کے علاوہ، کہانیاں، مکالمے، ڈرامے، ڈائریاں اور خطوط سب
شامل ہیں۔ اگر ان میں سے ہر چیز کی مشق بچوں کو کرائی جائے تو ان میں
لکھنے کی اچھی خاصی مشق پیدا ہوجانے کے علاوہ کاروباری زندگی
کے کام بھی آسانی اور قابلیت سے کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوجائے گی۔

ان مشقوں میں کہانیوں کی مشقیں خصوصاً بے حد دلچسپ ہوتی
ہیں۔ انھیں ابتدا کے درجوں سے آخری درجوں تک جاری رکھا جاسکتا
ہے۔ کہانیاں لکھنے کی سب سے پہلی مشقیں تو یہ ہوں گی کہ بچوں سے
اُن کی پڑھی ہوئی کہانیاں اپنے لفظوں میں لکھنے کو کہا جائے۔ ابتدا
میں وہ ان کہانیوں کو دلچسپ نہیں بناسکیں گے لیکن رفتہ رفتہ
انھیں پڑھی ہوئی کہانیوں کو دلچسپ انداز میں لکھ سکتے ہیں۔ اس

کے علاوہ کہانیاں لکھنے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ بچوں کو اچھی تصویریں دی جائیں جنہیں دیکھ کر، وہ ان تصویروں کے متعلق کہانیاں لکھیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ تصویریں بہت تصور زا (suggestive) ہوں۔ اُن میں جتنی باتیں ہوں وہ اتنی صاف ہونی چاہئیں کہ بچے ذرا سی فکر کے بعد، کہانی آسانی سے سوچ سکیں۔
آگے کے درجوں میں چل کر ان مشقوں میں تنوع پیدا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو کہانی کا خاکہ دے کر کہا جائے کہ اُس پر کہانی لکھیں، یا کسی کہانی کے ابتدائی دو تین دلچسپ اور تصور زا جملے لکھ کر انھیں دے دئے جائیں کہ وہ اس کہانی کو پورا کریں۔
کچھ اور آگے چل، انھیں صرف موضوع دے کر، اُن سے کہانیاں لکھوائی جا سکتی ہیں۔ بالکل آخری درجوں میں اُن سے مختصر افسانے لکھوائے جا سکتے ہیں۔ افسانے مختلف طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ لکھنے والا اپنی زبان سے بیان کرتا ہے اور آخر تک اپنی زبان میں بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ کچھ میں وہ افسانے کے کسی کردار کی زبانی افسانے کے واقعات بیان کرواتا ہے۔ اور کچھ افسانوں میں ان دونوں طریقوں کو ملا کر کام لیا جاتا ہے لیکن عموماً ایسے افسانے زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں جن میں افسانے کے مختلف کردار اپنی گفتگو کے ذریعے سے افسانے کے پلاٹ کو بڑھنے اور دلچسپ بننے میں مدد دیں اس طرح کے افسانے آسانی سے زندگی سے زیادہ قریب اور

نظری بنائے جا سکتے ہیں۔ اس لئے انشا میں مکالموں کے لکھنے پر بھی بہت
زور دینا چاہئے

مکالموں کی سب سے ابتدائی مشقیں تو زبانی ہوں گی۔ مثلاً درجے
کے مختلف لڑکے مل کر آپس میں کسی موضوع پر گفتگو کریں۔ یا کسی کہانی
کو ڈرامے کے انداز میں درجے میں ادا کریں۔ لیکن تحریری مشقوں
میں اسے اور زیادہ دلچسپ بنایا جا سکتا ہے۔ جس طرح کہانیاں لکھوانے
میں تصویروں سے مدد لی جا سکتی ہے، اسی طرح مکالمے کی مشقوں
میں بھی شروع میں تصویروں کا استعمال بے حد دلچسپ ہوگا
تصویروں میں دئے ہوئے دو اشخاص آپس میں کیا گفتگو کر رہے ہیں
اس کا اندازہ کرنے کے لئے بچوں کو ذہانت سے کام لینا پڑے گا اور
سوچنے کے بعد وہ بے حد دلچسپ قسم کے مکالمے لکھ سکیں گے۔

کہانیاں لکھوانے کے سلسلے میں بھی مکالموں کی اچھی اچھی مشقیں ہو سکتی ہیں
مثلاً ایک کہانی دے دی جائے اور بچوں سے کہا جائے کہ اسے مکالموں کے
انداز میں لکھیں۔ بڑے درجے کے لڑکوں سے مکالموں کے سلسلے میں ایسی مشقیں
کرائی جا سکتی ہیں جن میں کافی غور اور فکر کا موقع ملے۔ اس طرح مکالموں کے
کچھ عنوان ہم نے زبانی انشا کے سلسلے میں دئے تھے اس قسم کے کچھ اور دئے جاتے ہیں

(۱) دو ایسے آدمیوں کے درمیان مکالمہ جن میں سے ایک
فطرتاً خاموش ہے اور دوسرا بہت زیادہ بولنے کا عادی ہے

(۲) ایک نقب زن اور بوڑھے صاحب خانہ کے درمیان۔

(۳) کلب کے دو ایسے آدمیوں کے درمیان مکالمہ جن میں سے
ایک اپنے عزیزوں کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہے اور دوسرا اسے ٹالنا
چاہتا ہے۔

(۴) دو ایسے آدمیوں کے درمیان جو ایک دوسرے کی بات
نہیں سننا چاہتے

(۵) ایک مخبر اور ایک ایسے جاسوس کے درمیان جو چوروں کے
بھیس میں ہے۔

(۶) دو ایسے جاسوسوں کے درمیان جو چوروں کے بھیس میں
ایک دوسرے کی مدد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں

(۷) آدمی کے دو ہاتھوں کے درمیان۔

ظاہر ہے کہ بچے اگر اس طرح کے مکالموں کے لکھنے میں دلچسپی لینے
لگیں اور انھیں کامیابی سے لکھنے پر قادر ہو جائیں تو ان کا ادبی ذوق
اور قوت فکر کتنی بڑھ جائے گی۔ یہی مکالمے آئندہ چل کر، ڈراما
نگاری کی بنیاد بن سکتے ہیں۔

تحریری انشا کے سلسلے میں مختلف طرح کی ڈائریاں اور
خطوط لکھوائے جاتے ہیں۔ خطوط کا رواج ہمارے مدرسوں میں ہے
لیکن کوشش یہ کرنی چاہئے کہ ان خطوط کا تعلق بچوں کی زندگی کے
واقعات سے ہو۔ خطوط ایسے لوگوں کو لکھوائے جائیں جنھیں وہ
برابر خط لکھتے رہتے ہیں اور ان میں بالکل ایسی ہی باتیں لکھوائی

جائیں جو عام طور پر خطوں میں لکھی جاتی ہیں جن مدرسوں میں نئے اصول کی پابندی ہوتی ہے ان میں اس قسم کے خط لڑکوں سے اُن کے والدین یا دوسرے عزیزوں کے نام لکھوائے جاتے ہیں۔ والدین اور عزیزوں سے اُن کے جواب لکھنے کو کہا جاتا ہے اور اُس کے بعد پھر بچے اُن کا جواب لکھتے ہیں۔ چونکہ خطوط کے واقعات کا تعلق بالکل بچوں کی زندگی سے ہوتا ہے اس لئے وہ ان کے لکھنے میں بے حد دلچسپی لیتے ہیں اور اس طرح اُنھیں خط لکھنے کی عادت ہو جاتی ہے ہمارے مدرسوں میں بھی اپنی ضروریات کے مطابق تبدیلی کرکے اسی طرح خط لکھوائے جا سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر بچے کو خط میں ایک ہی طرح کی باتیں لکھنے کی تاکید کی جائے۔ کوشش یہ کرنی چاہئے کہ ہر بچہ اپنے خط کا مضمون اپنی ضرورت کے مطابق خود ہی سوچے۔

ڈائریوں کے لکھنے کا رواج ہمارے مدرسوں میں بالکل نہیں حالانکہ ڈائری لکھنے کی مشقیں بچوں کی فکری قوتوں کو جتنی ترقی دے سکتی ہیں اور کسی طرح کی مشقوں سے نہیں ہو سکتی۔ ڈائریوں کے موضوع اگر سوچ کر دئے جائیں تو اُن میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو اچھی مضمون نگاری میں۔ اس میں فکر اور غور کی بھی ضرورت ہے اور قوت تخیل بھی بے حد ترقی کرتی ہے۔ بعض اچھے مدرسوں میں جس طرح کے موضوع دئے جاتے ہیں۔ اُن میں سے کچھ کے نام دیکھ کر ان کی صحیح قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ایک ہفتے کی ڈائری :-

(۱) چور کی

(۲) نائی کی

(۳) نئے سپاہی کی

(۴) ایک نواب کی جو گائے سے ڈرتا ہے

(۵) ایک ایسے بزدل آدمی کی جس نے محض اتفاق سے کچھ جانیں بچالیں۔

(۶) ایک ایسے آدمی کی جسے اپنی آواز کے اچھے ہونے پر فخر ہے

(۷) ہوٹل کے دسترخوان کی۔

(۸) ایک ایسے آدمی کی جس نے لوگوں کو بہانے بتانے کی دوکان کھولی ہے۔

اس طرح کی مشقیں کتنی دلچسپ ہوں گی، اس کا اندازہ صرف موضوع دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مشقیں لکھنے کی مشق بڑھانے کے علاوہ، زندگی میں بھی بہت مفید اور کارآمد ہو سکتی ہیں۔

خطوط اور ڈائریوں سے افسانہ نویسی میں بہت مدد لی گئی ہے۔ اگر بچوں کو صحیح تربیت ملے۔ اُن سے طرح طرح کی کہانیاں لکھوائی جائیں، انھیں خط اور ڈائریاں لکھنے کی بھی مشق ہو تو وہ اُن خطوں اور ڈائریوں کو ادبی بناکر، دلچسپ سے دلچسپ مختصر افسانے لکھ سکتے ہیں۔

اب تک ہم نے بیانیہ اور تفصیلی Descriptive Narrative مضمون نگاری
کی مشقوں کا ذکر کیا۔ ان مشقوں میں تھوڑی بہت تبدیلیاں کر کے
انھیں چھوٹے سے چھوٹے درجے سے لے کر مدرسے کے آخری درجے
تک کام میں لایا جا سکتا ہے اور ان سے محض بیان اور تفصیل کی
قدرت حاصل ہونے کے علاوہ، فکر اور غور کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی
ہے۔ بچے ان سے اپنے تخیل کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے سکتے
ہیں۔ اس طرح کی مشقیں آخری درجوں میں ہونی چاہئیں جن مشقوں
کا اب تک ذکر کیا گیا، اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے تخیلی
مضامین لڑکوں کو لکھنے کے لئے دئے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان کا انداز
بھی دلچسپ ہونا چاہئے جس طرح کے مضامین آج کل مدرسوں میں
دئے جاتے ہیں وہ چونکہ ان کے لئے دلچسپ نہیں ہوتے اس لئے
وہ ان پر غور و فکر نہیں کرتے۔ اور بجائے اس کے کہ ان سے ان کی
قوت فکر میں جلا ہو، وہ مردہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے تخیلی
مضامین کے سلسلے میں بھی اسی طرح کی مشقیں بہت مفید ہوں گی
جن کا ذکر ہم نے اب تک کیا ہے۔ آئندہ زندگی میں چل کر
اگر انسان کوئی قومی خدمت کرنا چاہئے، ملک کی سیاسی اور
معاشری زندگی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہے تو اسے
سب سے زیادہ مدد مضمون نگاری ہی سے ملتی ہے۔ افسانے اور
ڈرامے بھی بڑی حد تک یہ خدمت انجام دیتے ہیں لیکن مضمون پڑھنے

والے چونکہ انھیں محض دلچسپی کے لئے پڑھتے ہیں اس لئے اگر لکھنے والے نے
انھیں اصلاحی یا اخلاقی مقصد سے بھی لکھا ہے تو اس کا صحیح مقصد
پورا نہیں ہوتا۔ اس کا پیغام اس زور اور اثر کے ساتھ دوسروں
تک نہیں پہنچتا، جیسے وہ پہنچانا چاہتا ہے اس لئے اخلاقی اور اصلاحی
مقصد کے لئے عموماً مضمون یا Essay ہی سے مدد لی جاتی
ہے۔ مدرسے میں دوسری قسم کی مشقیں محض بچوں میں دلچسپی پیدا
کرنے، ان میں سوچنے اور لکھنے کی صلاحیتیں اور قوتیں بڑھانے
کے لئے کام میں لائی جاتی ہیں۔ ان چیزوں کی مدد سے جب
ان کی تحریر میں روانی، اور قلم میں زور پیدا ہو جاتا ہے تو وہ
اسے مفید راہوں پر لگاتے ہیں۔ یہ مفید راہیں، جہاں تک لکھنے کا
تعلق ہے، مضمون نگاری یا Essay کی دنیا تک محدود ہیں۔ اس
لئے ہمیں اندازہ ہوا کہ ہماری زندگی میں Essay کو بڑی اہمیت
حاصل ہے اور اس لئے معلم کا فرض ہے کہ مضمون نگاری
کی تعلیم کے سلسلے میں چند باتیں اپنے ذہن میں رکھے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مضمون لکھنے میں صحیح ترتیب کا
خیال ضروری ہے۔ انسان کسی سے زبانی یا لکھ کر جس طرح بھی ہو،
اگر کوئی بات کہنا چاہتا ہے تو اسے موثر بنانے کے لئے ضروری ہے
کہ وہ اپنے خیالات میں تسلسل پیدا کرے۔ ہمارے مضمون نگاروں کے
مضامین میں اکثر اوقات محض، اسی کمی کی وجہ سے بالکل اثر باقی

نہیں رہتا۔ اس لئے بچوں میں اس عادت کا پیدا کرنا بے حد ضروری ہے جب بچوں سے مضمون لکھوائے جاتے سے پہلے اُن سے کچھ اس طرح کی مشقیں کرالینی چاہئیں جن سے اُن میں مضمون کی صحیح ترتیب، خیالات کے تسلسل، اور مضمون کو مناسب پاروں میں تقسیم کرنے کا احساس پیدا ہوجائے اور آئندہ چل کر وہ غیرارادی طور پر اپنے مضمونوں میں صحیح ترتیب اور تسلسل پیدا کرسکیں۔

اس قسم کی مشقوں کی ابتدا چھوٹے درجوں میں اس طرح کی جاسکتی ہے کہ بچوں کو کوئی موضوع دیا جائے۔ اس کے بعد اُن سے اس کے متعلق اشارات پوچھے جائیں۔ لڑکے جو جو اشارات Points بتائیں انھیں معلم تختہ سیاہ پر لکھتا جائے۔ جب اشارات کی تعداد کافی ہوجائے تو لڑکوں کی مدد سے اُن میں ربط اور تسلسل قائم کرے اور آخر میں ایک ایسا خاکہ تیار کردے جس کی مدد سے مضمون سلسلے وار لکھا جاسکے۔ اس کے مختلف حصے زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، خیالات کا سلسلہ کہیں ٹوٹتا ہوا نہ معلوم ہو۔ ایسی مشقیں مضمون نگاری کے سلسلے میں تو نہیں ہوتیں لیکن مدرسوں میں عموماً دوسرے مضامین پڑھاتے وقت اس طرح کے خاکے سے کام لیا جاتا ہے۔ معلم تاریخ یا جغرافیہ کا سبق پڑھاتے وقت جو جو باتیں بتاتا ہے انھیں سلسلے وار تختہ سیاہ پر، اشارات کی شکل میں لکھتا جاتا ہے۔ لڑکے اسے کاپیوں

پر نقل کر لیتے ہیں اور اس سے انھیں سبق کے خیالات کے درمیان ربط اور تسلسل پیدا کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

انشا کے گھنٹے میں اس طرح کی ایک اور مشق یہ ہو سکتی ہے کہ کسی عبارت کے کچھ جملوں کو بے ترتیب کر کے ایک جگہ لکھ دیا جائے اور لڑکوں سے کہا جائے کہ ان جملوں کو اس طرح جوڑیں کہ اُن میں ربط اور تسلسل پیدا ہو جائے۔ مختلف لڑکے اُنھیں مختلف طرح ترتیب دیں گے۔ معلم ان میں سے سب سے خراب، اوسط اور اچھے سے اچھے نمونوں کو لے کر، اصل عبارت سے اُن کا مقابلہ کرے اور لڑکوں میں اس بات کا احساس پیدا کرے کہ جملوں اور خیالات میں صحیح ربط اور سلسلہ نہ ہونے سے اُن کے اثر میں کتنی کمی آجاتی ہے۔

مشقیں تو بالکل ابتدائی درجوں میں ہو سکتی ہیں لیکن آئندہ چل کر بھی جب لڑکوں سے مضمون لکھوانے شروع کر دئے جائیں تو اُن میں خیالات کو سلسلے وار ترتیب دینے کی عادت ڈالنے کے لئے خاص طور پر دو طرح کے مضامین لکھوانے چاہئیں۔ ایک تو ایسے جن میں واقعات، وقت کے لحاظ سے سلسلے وار واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً لڑکوں سے کہا جائے کہ وہ فٹ بال میچ پر مضمون لکھیں۔ ایسی صورت میں لڑکے خود بخود خیالات میں تسلسل پیدا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ وہ اپنے خیالات کا سلسلہ فٹ بال میچ کے شروع ہونے کے وقت سے شروع کریں گے اور واقعات خود بخود سلسلے وار اُن کے ذہن میں آتے چلے جائیں گے اور وہ انھیں اسی ترتیب سے لکھ دیں گے۔ یا اس کے علاوہ خیالات میں تسلسل

پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بچوں سے اُن لوگوں کی سوانح عمریاں لکھوائی جائیں جن سے وہ واقف ہیں۔ وہ سوانح عمری لکھتے وقت عمر اور وقت کے لحاظ سے واقعات لکھنے شروع کریں گے اور اس لئے مضمون میں خود بخود تسلسل پیدا ہو جائے گا۔

عادت انسان کی فطرت ثانیہ ہے۔ جب بچے اس طرح کی مشقوں کے عادی ہو جائیں گے تو آگے چل کر اُن کے لئے اس راہ سے ہٹنا بھی دشوار ہوگا۔ وہ خود بخود اپنے خیالات میں ربط پیدا کریں گے۔ جو کچھ لکھیں گے، اُسے اچھی طرح سوچ لیں گے۔ اُس کا خاکہ بنا لیں گے۔ جو اشارات ذہن میں آئیں گے، انہیں لکھتے رہیں گے اور اُس کے بعد ان میں ترتیب پیدا کر لیں گے لیکن ممکن ہے کہ تختۂ سیاہ کے خاکے دیکھنے، بے ربط جملوں میں ترتیب پیدا کرنے کی مشقیں کرنے، اور مسلسل مضمون اور سوانح عمریاں لکھنے کے بعد بھی کچھ بچوں میں مضمون کے اشارات لکھنے اور انہیں سلسلہ وار مرتب کرنے کی عادت نہ پڑے۔ اس لئے معلم کو ایک بات پر اور زور دینا چاہئے اور وہ یہ کہ بچوں کو موضوع دے کر اُن سے کہا جائے کہ وہ اس کے متعلق سوچ کر، اشارات بنائیں اور انہیں سلسلے وار ترتیب دے کر اپنے اُستاد کو دکھائیں۔ اس طرح کی مشقیں کثرت سے ہونی چاہئیں۔ درجے میں بھی جتنے مضمون لکھوائے جائیں ان کے متعلق یہ تاکید کر دی جائے کہ وہ اُن کے اشارات لکھے اور خاکے بنائے بغیر مضمون نہ لکھیں۔ ایسا کرنے کے بعد اس بات کا

امکان باقی نہیں رہے گا کہ لڑکے بغیر تسلسل پیدا کئے مضمون لکھیں
خیالات میں تسلسل اور اُن کی مختلف کڑیوں کے درمیان ربط پیدا
ہو جانے کے بعد پیرے (Para) بنانے کی عادت اُن میں
خود بخود پیدا ہو جائے گی۔

دوسری چیز جو کئی لحاظ سے ضروری ہے یہ ہے کہ بچوں سے
مضامین کو موزوں طریقے سے شروع کرنے اور موثر طریقے سے
ختم کرنے پر زور دیا جائے۔ مضمون کی ابتدا جب تک دلچسپ نہیں
ہوگی، اُسے کوئی پورا پڑھنا پسند نہ کرے گا اور مضمون کا خاتمہ
جب تک موثر نہ ہوگا، لکھنے والے پر اثر قائم رہنا دشوار ہوگا۔ اس
لئے مضمون کی ابتدا اور اُس کا خاتمہ، دلچسپ، موثر اور پر زور
ہونا چاہئے۔ اس کی عادت ڈالنے کے لئے یہ کیا جا سکتا ہے کہ لڑکوں
کو مختلف موضوع دئے جائیں اور اُن سے کہا جائے کہ ان کی ابتدا
اور خاتمہ لکھیں۔ شروع میں وہ ان مشغولوں میں دلچسپی نہیں لیں گے
اور اس لئے ان کی لکھی ہوئی ابتدا یا خاتمہ بھی دلچسپ اور موثر
نہیں ہوگا۔ لیکن رفتہ رفتہ انھیں اس طرح کی مشغولوں سے دلچسپی
پیدا ہو جائے گی۔ وہ جو کچھ لکھیں گے سوچ کر لکھیں گے۔ ایک مرتبہ
لکھ کر اُسے کاٹیں گے۔ پھر سوچیں گے اور اُس میں برابر تبدیلیاں
کرتے رہیں گے اور آخر میں اُسے دلچسپ، موثر اور پر زور بنانے
میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب کبھی مضمون لکھیں گے

تو اُن کی اس طرح حاصل کی ہوئی عادت، اُن کی رہبری کرے گی۔

تحریری انشا اور مضمون نگاری کے سلسلے میں میں نے قریب قریب اُن سب اصولوں سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے جن کا اس باب میں ذکر آیا اور میں نے محسوس کیا کہ اگر اُستاد ذرا سی سوجھ بوجھ سے کام لے تو ان میں سے ہر طریقے سے بہت مفید تعلیمی نتیجے مرتب ہو سکتے ہیں لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے دوسری چیزوں کے مقابلے میں زیادہ مفید نتیجے برآمد ہوئے۔ خاص کر مضمون لکھواتے وقت میں نے یہ محسوس کیا کہ تین باتوں نے مجھے بے حد مدد دی۔ اور ان کی مدد سے میں نے جتنے مضمون لکھوائے وہ مواد اور طرز بیان کے لحاظ سے قابل اطمینان تھے۔ بلکہ اکثر لڑکوں نے بے حد دلچسپ مضامین لکھے۔

پہلی چیز جس سے میں نے ہمیشہ فائدہ اُٹھایا یہ تھی کہ لڑکوں سے اُن موضوعوں پر مضمون لکھواتا تھا جن کے متعلق میں نے یہ محسوس کیا کہ لڑکے اُن کے اظہار کے لئے بے قرار سے ہیں۔ مثلاً ایک دن میں پانچویں جماعت کو پڑھا رہا تھا۔ میدان میں سے کچھ لڑکوں کے شور مچانے کی آوازیں آئیں۔ جماعت کے لڑکے باہر کی طرف دیکھنے لگے۔ میں نے بھی باہر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک زبردست ٹڈی دل چھایا ہوا ہے اور لڑکے ٹڈیوں کو دیکھ دیکھ کر شور مچا رہے ہیں۔ میری جماعت کے بچے بھی یہ منظر دیکھنے کے لئے بے قرار

تھے ۔ انھوں نے مجھ سے باہر جانے کی اجازت مانگی ۔ میں نے ان سے
کہا کہ میں ایک شرط پر اجازت دیتا ہوں کہ تمھیں واپس آکر ایک
مضمون لکھنا پڑے گا ۔ سب لڑکے اس بات پر راضی ہو گئے ۔ اور
میں انھیں باہر لے آیا ۔ وہ پورے گھنٹے باہر رہے اور اس کے بعد
چھٹی ہو گئی ۔ دوسرے دن جب میں اس جماعت میں پہنچا تو میں
نے تجاہل کے طور پر پوچھا کہ بھئی آج کیا کام کرنا ہے ؟ ایک ساتھ
کئی آوازیں آئیں "ٹڈیوں پر مضمون" میں نے کہا تو لکھنا شروع
کرو ۔ اس بات پر ایک لڑکے نے کہا " ماسٹر صاحب عنوان کیا
لکھیں ؟" میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک طرف سے آواز آئی "ٹڈی دل
آیا" سب نے کہا " بالکل ٹھیک" اور مضمون نگاری شروع ہوگئی
ساری جماعت نے خوش ہو کر مضمون لکھے اور پچیس لڑکوں کی جماعت
میں کوئی لڑکا بھی ایسا نہ تھا جس کے مضمون کو برا یا غیر دلچسپ کہا جا سکے ۔

اسی طرح ایک دن سردی حد سے زیادہ تھی مجھے ساتویں
جماعت میں جانا تھا ۔ میں گیا تو میں نے یہ محسوس کیا کہ آج سردی کی
وجہ سے لڑکے لکھنے کا کوئی کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ۔ سردی
سے سب کی ناکیں سرخ ہو رہی تھیں ۔ میں نے کہا " بھئی آج کوئی
لکھنے کا کام نہیں ہوگا ۔ آج تو صرف تقریریں ہونی چاہئیں" ایک
لڑکے نے جیسے میرے دل کی بات پالی اور بولا کہ " ماسٹر صاحب
آج تو سردی کے موسم پر تقریریں کرائیے" ۔ ایک دوسرا لڑکا بولا

"ماسٹر صاحب نے سردی کے موسم پر نہیں "آج کی سردی" پر۔ اس تجویز
کو سب نے پسند کیا۔ تقریریں ہوئیں اور دوسرے دن پوری جماعت
نے "آج کی سردی" پر بہت دلچسپ مضمون لکھ کر دکھائے۔ ان میں
سے بعض مضمونوں میں بیان کی سادگی اور سچائی دیکھ کر جی خوش ہوا
تھا۔ اسی طرح لڑکوں نے سائنس کی کلاس میں آئس کریم بنائی۔
ورکشاپ میں اسٹول بنایا، کھیل کے میدان میں کبڈی کھیلی اور پھر
خود ہی مضمون لکھے "آؤ آئس کریم بنائیں"۔ "ہم نے اسٹول بنایا"
"آؤ کبڈی کھیلیں"۔ یہ پہلی چیز تھی جس نے مضمون نگاری کے سلسلے
میں سب سے اچھی تحریک کا کام دیا۔

دوسری چیز یہ تھی کہ جب کبھی میں نے بچوں سے مضمون لکھوانا چاہا
تو حتی الامکان مضمون کے عنوان کو دلچسپ بنا کر ان کے سامنے پیش کیا۔
اور اس طرح انھوں نے اپنی معمولی زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں
میں بھی رومان محسوس کیا اور ان پر دلچسپ سے دلچسپ مضامین لکھے۔
مثلاً مجھے مختلف موسموں میں جاڑے، گرمی اور برسات پر مضمون لکھوانا
تھے۔ یہ مضمون اب اتنے فرسودہ ہو گئے ہیں کہ بچے بھی ان کے نام
سے اکتانے لگے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ کسی نئی چیز کی تلاش میں رہتے ہیں
لیکن میں نے ان موضوعوں پر مضامین لکھوائے ہیں اور بچوں نے
کبھی ان میں فرسودگی محسوس نہیں کی اور ان میں سے ہر ایک نے بہت
دلچسپ مضامین لکھے اور ہر بچے نے ذاتی عنصر کو شامل کر کے ان میں انفراد

بھی پیدا کی۔ اور یہ سب اس طرح ہوا کہ میں نے عنوان میں ذرا سی تبدیلی کر دی تھی۔ جاڑے، گرمی اور برسات پر جو مضامین لکھوائے اُن کے عنوان یہ تھے:۔ (۱) دانت بجاتا جاڑا آیا۔ (۲) گھر گھر آئے کالے بادل۔ (۳) بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ۔ اسی طرح مختلف تہواروں کے موقعوں پر جو مضامین لکھوائے گئے۔ اُن کے عنوان اس طرح کے تھے:۔ کل دیوالی تھی، آؤ ہولی کھیلیں، عید کی صبح۔ پھر بچوں کی روزانہ زندگی سے جو مضامین لئے گئے تھے، وہ اس طرح کے تھے۔ ہمارے درجے کا ایک ساتھی، جولائی میں کتاب والے کی دوکان، تیسرے درجے میں ریل کا سفر، ورکشاپ میں بھنڈ منٹ، شام کے وقت چاندنی چوک کی سیر، جامع مسجد کی سیڑھیاں، سینما کی ایک شام۔ میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ بچوں کو جب میں نے مضمون لکھنے لکھنے کے لئے یہ عنوان بتائے تو اُن میں سے ہر ایک نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا اور مضمون کو بے حد دل لگا کر لکھا۔ چونکہ ان سارے مضمونوں میں ذاتی مشاہدہ اور تھوڑے بہت تخیّل کی ضرورت تھی، اس لئے ہر لڑکے کا مضمون دوسرے سے الگ رہا اور اسی ذاتی عنصر نے ہر مضمون کو کسی نہ کسی حیثیت سے دلچسپ بنا دیا تھا۔ ایک دفعہ میں نے نویں جماعت کے لڑکوں کو ایک مضمون لکھنے کو دیا۔ عنوان تھا "اسکول سے گھر تک" سب لڑکوں نے اپنے گھر سے اسکول تک کے راستے کا حال لکھا تھا اور مختلف موقعوں پر اُنھوں نے

راستے میں جو جو واقعات دیکھے تھے اور اُن سے جس طرح متاثر ہوئے
ہوئے تھے اُن کا ذکر اپنے اپنے انداز میں کیا تھا۔ ایک لڑکے کے
گھر کا راستہ شہر پناہ کے برابر برابر جانے والی سڑک پر ہو کر
تھا۔ اس لئے اُس نے عنوان میں خود ہی تھوڑی سی تبدیلی کر کے
اُسے کر لیا "وہ شہر پناہ کے کنارے کنارے" [illegible] اس لڑکے نے پہلے
تو شہر پناہ والی سڑک کا تھوڑا سا حال لکھا تھا اور اس کے بعد مضمون
کو تخیلی بنا دیا تھا اور جذباتی انداز میں لکھا تھا کہ اس دیوار کے پاس
سے گزرتے وقت کس طرح اُس کا تصور ماضی کی تصویریں بنانے میں
مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ تصویریں ہر روز نئی رنگینی کے ساتھ ذہن
میں آتی ہیں اور جوں ہی وہ سڑک ختم ہوتی ہے ماضی کا تصور حقیقت
کی تلخی سے ٹکراتا ہے اور یک بیک ان رنگین تصویروں کا خاتمہ
ہو جاتا ہے۔

ایک تیسری چیز جس کا میں نے بہت تاکید سے بچوں کو عادی بنایا
ہے یہ ہے کہ وہ ہر مضمون لکھنے سے پہلے اُس کے اشارے لکھتے ہیں
اور اُن اشاروں میں ربط پیدا کر کے مضمون لکھنا شروع کرتے ہیں۔ میں
نے محسوس کیا ہے کہ بچے اگر اس مشق کے عادی ہو جائیں تو چند ہی
ہفتوں میں اُن کے خیالات میں ربط اور تسلسل پیدا ہونا شروع
ہو جاتا ہے اور خود اپنے مضمونوں میں بھی وہ روانی تلاش کرنے
لگتے ہیں جس کے بغیر کوئی مضمون اچھا نہیں کہا جا سکتا۔

(۵)

مطالعے سے ربط

بظاہر انشا کی تعلیم اور بچوں کے مطالعے میں کوئی خاص ربط نہیں سمجھا جاتا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ لڑکے جو کچھ پڑھتے ہیں، اُس سے انشا سکھانے والے اُستاد کو کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ اُس کا کام تو صرف بچوں کو بولنے اور لکھنے کی مشق کرانا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ان دونوں چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ انشا کا تعلق خیالات سے ہے۔ مشغلوں کا تنوع اور ان کی دلچسپی بچوں کی عمر اور اُن کی لیاقت کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ جوں جوں بچوں کے تجربات کی دنیا وسیع ہوتی جاتی ہے انہیں انشا کے لئے نئے نئے موضوع ملتے جاتے ہیں۔ ہر قسم کے انشا کی بنیاد محض تجربات پر ہے۔ تجربات جتنے محدود ہوں گے انشا بھی اُتنا ہی زیادہ محدود ہوگا۔ تجربات میں جتنی وسعت پیدا ہوتی جائے گی، انشا کی تعلیم کا دائرہ بھی اُتنا ہی وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ اس لئے انشا کے مدرس کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ بچوں کو زیادہ سے زیادہ تجربات حاصل کرنے کا موقع دے۔

اُن کے سامنے دُنیا کی جتنی مختلف چیزیں پیش کر سکتا ہے پیش کرے۔ تاکہ بچے ان چیزوں کے درمیان میں سے گزریں اور ایک سیاح کی طرح اپنے گرد وپیش کی چیزوں کے متعلق واقفیت اور تجربات حاصل کرتے جائیں۔ لیکن انسان اور خصوصاً کم عمر کا انسان اپنے ماحول کے بہت کم حصے پر قادر ہوتا ہے۔ اُسے دنیا کی بہت کم چیزوں کے متعلق حقیقی معلومات حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ انسان نہ ہر جگہ آ جا سکتا ہے اور نہ ہر چیز کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر اس کے تجربات کی وسعت بھی محدود ہوتی ہے۔ اور اگر ہم نے صرف یہ کہہ دیا جائے کہ دُنیا کی چیزوں کے متعلق مختلف تجربات حاصل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ اُن چیزوں سے مل کر اور انھیں دیکھ ہی کچھ حاصل کر سکتے ہیں تو ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ ہمارے تجربات اور ہماری معلومات کتنی محدود ہوں۔ ہمارے آبا و اجداد نے دنیا کے پیدا ہونے سے آج تک جو دلچسپ سے دلچسپ تجربات حاصل کئے ہیں، ہمارے [illegible] ہوا ہے، کچھا بھی [illegible]۔ کتابیں ہی گزرے ہوئے تجربات کو ہم تک پہنچانے کا واحد ذریعہ ہیں اور اس سے انسان کو اپنے تجربات میں وسعت پیدا کرنے کے لئے ہر وقت کتاب کا محتاج ہونا پڑتا ہے، اور کتابیں ہی ہمارے تجربے کی دنیا میں رنگینی، تنوع اور ہمہ گیری پیدا کرتی ہیں یہ بات ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ہر طرح کے انشا کی بنیاد صرف تجربے

رہتی ہے، اس لئے انشا کا معلّم کبھی بچوں کے مطالعے سے بے خبر رہ کر اُنھیں انشا کی اچھی مشقیں نہیں کرا سکتا۔ اُس کے لئے ضروری ہے کہ برابر اس بات کا خیال رکھے کہ اُس کے شاگرد کیا پڑھتے ہیں اُس کا کام ہے کہ وہ بچوں کو برابر اچھی سے اچھی کتابیں پڑھنے کو بتائے۔ ہر درجے میں اس بات کا خیال رکھے کہ بچے ایسی کتابیں پڑھیں جو اُن کے ذوق کے مطابق ہوں تاکہ اُنھیں ان کے پڑھنے میں دلچسپی محسوس ہو۔ اس کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہر سال کے شروع میں معلّم، کتابوں کی ایک فہرست بنا کر درجے کے لڑکوں کو دے دے اور اُن سے تاکید کرے کہ وہ اُنھیں برابر پڑھتے رہیں۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے مطالعے اور درجے کے انشا میں کس طرح ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اگر سوچا جائے تو آسانی سے بچوں کے مطالعے کو اُن کی زبانی اور تحریری دونوں طرح کے انشا سے مربوط کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے لئے ایک طرح کی مشقیں یہ ہو سکتی ہیں کہ بچوں سے ہفتے میں ایک مرتبہ درجے میں پوچھا جائے کہ اُنھوں نے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں اور اُن کے متعلق اُن کی کیا رائے ہے۔ چھوٹے درجوں میں یہ رائیں بہت مختصر ہوں گی اور ان میں دو چار عام اچھائیوں اور بُرائیوں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن آگے کے درجوں میں چل کر

ان مشقوں کو زیادہ مشکل بنایا جاسکتا ہے۔ طلبہ سے زیادہ صحیح قسم کی تنقیدیں طلب کی جاسکتی ہیں۔

جس طرح یہ کام زبانی انشا میں ہوسکتا ہے، اُسی طرح تحریری انشا میں بھی اُن سے کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے جو کتابیں پڑھی ہیں اُن پر صحیح رائے لکھیں۔ اُن کے خلاصے لکھیں۔ شروع کے درجوں میں تحریری مشقیں بھی آسان قسم کی ہوں گی، اور بچوں سے کہا جائے گا کہ وہ کتابوں کی دو ایک موٹی موٹی اچھائیاں اور بُرائیاں لکھیں۔ لیکن آگے چل کر، اُن سے طرزِ بیان کے علاوہ، خیال پر بھی صحیح قسم کی تنقیدیں کرائی جاسکتی ہیں۔

اس لئے ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ انشا کے معلّم کا ضروری فرض ہے کہ بچوں کے مطالعے پر نظر رکھے اور صحیح قسم کی کتابیں پڑھنے میں اُن کی رہبری کرے۔ انھیں پڑھنے کے طریقے بتائے۔ اُن سے کتابوں کے متعلق رائیں پوچھے تاکہ اُن میں صحیح ادبی مذاق پیدا ہونے کے علاوہ تنقیدی نظر بھی پیدا ہو۔ اس لئے کہ انسان میں جب تک تنقیدی نظر نہیں پیدا ہوتی اُس کے لئے، زندگی کی ہر منزل میں دشواریاں ہی دشواریاں نظر آئیں گی۔ اُسے ہر قدم پر ایک رکاوٹ معلوم ہوگی۔

بچوں میں تنقیدی نظر پیدا کرنے اور انھیں صحیح قسم کی تنقیدوں کی طرف مائل کرنے کے لئے انشا میں اور بھی بہت سے طریقے کام

میں لائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً معلم نہایت آسانی سے یہ کر سکتا ہے کہ بچے ایک دوسرے کی تقریروں پر تنقیدیں کریں اُن پر اپنی صحیح رائیں دیں اُن کی اچھائیوں، بُرائیوں کو پرکھیں۔ ہم نے زبانی انشا کے سلسلے میں Cook کے طریقہ تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ Cook جب طالبعلموں سے تقریریں کرداتا تھا تو لڑکے ہی آپس میں اُن پر نمبر دیتے تھے۔ اور آخر میں اُن میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ نازک سے نازک غلطی کو بھی آسانی سے معلوم کر لیتے تھے۔ اُنھیں خیالات اور طرز بیان دونوں چیزوں پر صحیح قسم کی تنقید کرنے پر قدرت حاصل تھی۔ Cook نے ایک جگہ اُنھیں لڑکوں کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ان میں تنقید کرنے کی صلاحیت اس درجہ ترقی کر گئی تھی کہ وہ مدرسے کی زندگی کے دوسرے شعبوں پر بہت سچے قسم کی تنقید کر سکتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ زبانی تقریروں کے گھنٹے میں Cook نے محسوس کیا کہ ایک لڑکا جو عموماً اچھی تقریر کرتا تھا، اُس دن اتنا اچھا نہیں بول رہا تھا۔ لڑکے اُس کی تقریر کے سننے میں بالکل دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ Cook کو بے حد تعجب ہوا اُس نے خاموشی سے ایک لڑکے سے اس کی وجہ پوچھی، اس لڑکے نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ جناب اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے ہمارا انشا کا کام دوسرے گھنٹے میں ہوتا تھا۔ اُس وقت لڑکے

تر وتازہ ہوتے تھے۔ اس لئے بولنے والا بھی اچھا بول سکتا تھا اور سننے والے بھی انہماک ظاہر کرتے تھے لیکن یہ چوتھا گھنٹہ ہے اور ہر شخص کا دماغ تھکا ہوا ہے۔ لڑکے کے کہنے سے یہ کام دوسرے گھنٹے میں ہونے لگا اور اس کے بعد پھر کبھی یہ شکایت نہیں پیدا ہوئی کہ کوئی اچھا لڑکا بُرا بولا ہو یا درجے کے لڑکوں نے اُس کی تقریر میں دلچسپی نہ لی ہو۔

اس مثال سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مدرسہ بچوں میں اس طرح کی تنقیدی نظر پیدا کرنے میں کتنی زیادہ مدد کر سکتا ہے اور خاص طور پر انشا کو اس حیثیت سے کتنی زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے جو چیز بظاہر انشا کے ساتھ بے جوڑ معلوم ہوتی ہے۔ اُسے حقیقت میں بے جوڑ نہیں سمجھنا چاہئے۔ لڑکوں کے مطالعے اور اُن کے انشا میں گہرا ربط اور تعلق ہونا چاہئے اور تعلق کے درمیان کی کڑی تنقید ہے۔

بچوں کے مطالعے اور انشا میں صحیح ربط پیدا کرکے اُن میں مطالعے کا صحیح ذوق پیدا کیا جا سکتا ہے اور اُن کی تنقیدی صلاحیتوں کو اُبھارا جا سکتا ہے لیکن ان دو کاموں کے علاوہ بھی درجے کے مطالعے کی مدد سے انشا کی چھوٹی بڑی مختلف طرح کی مشقیں کرائی جا سکتی ہیں اور ان مشقوں میں لفظوں کی آسان سے آسان مشقوں سے لے کر تشبیہ، استعارے اور مضمون نگاری تک کی مشقیں شامل ہیں۔

خاص کر لفظوں کی جتنی لاتعداد مشقیں بچوں کی درسی کتابوں
کی مدد سے ہو سکتی ہیں کسی اور طریح نہیں ہو سکتیں
ممکن ہے یہ بات مثالوں کے ذریعے سے زیادہ واضح ہو سکے مثلاً
سبق پڑھاتے وقت اُس میں ایک ایسا مرکب لفظ آیا جس سے
بچے پہلے سے واقف ہیں۔ مثلاً ہم جماعت، بدقسمت، خوش قسمت،
آرزو مند، جادوگر، پیچ کش ایسے لفظ ہیں جن سے عام طور پر
لڑکے واقف ہوں گے۔ اگر اُستاد چاہے تو انھیں آسان
لفظوں کے معنی بچوں کو اس طرح سمجھائے کہ ان سے ملتے جلتے سارے
لفظوں کے معنی وہ خود یا استاد کے ذرا سے اشارے سے سمجھ سکتے
ہیں خوش قسمت کے ساتھ خوش نصیب، خوش گو، خوش کلام، خوش
فہم، خوش پوش، خوش منظر وغیرہ لفظوں کے معنی بدقسمت کے ساتھ
بدنام، بدشکل، بداطوار، بداخلاق، بدکردار وغیرہ لفظوں کے
معنی، ہم جماعت کے ساتھ ہم خیال، ہمدرد، ہمنوا، ہم نشیں،
ہم نفس جیسے لفظوں کے معنی آرزو مند کے ساتھ خواہش مند، درد مند
حاجت مند جیسے لفظوں کے معنی اور پیچ کش کے ساتھ منت کش،
دل کش، بار کش، دود کش جیسے لفظوں کے معنی سمجھانے کے علاوہ
بچوں میں اس طرح کے لفظوں کے معنی خود سوچنے کی عادت ڈالی
جا سکتی ہے۔ اردو میں مرکب لفظوں کی اتنی کثرت ہے کہ اگر بچے
مرکب لفظوں کے ٹکڑے کر کے اُن کے معنی سمجھنے کی کوشش کرنے

کے عادی ہوجائیں تو یہ چیز اُن کے ادبی ذوق کے لئے تازیانہ کا
کام دے گی۔ یہ لفظوں کی مشق کی صرف ایک مثال ہے۔ لفظوں کی وہ
ساری مشقیں جن کا ذکر زبانی انشا کے سلسلے میں کیا گیا ہے، درسی
کتاب کی مدد سے کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً ایک اسم دے کر اُس کی
موزوں صفات معلوم کرنا، ایک لفظ دے کر اُس کے مرادف
اور متضاد الفاظ معلوم کرنا، خالی جگھوں کو مناسب اسموں، موزوں
صفات اور تشبیہوں اور استعاروں سے پُر کرنا۔ معمولی اسم دیکر
اُن کے اسم صفات بنوانا، یہ اور اس طرح کی بہت سی مشقیں کتاب
پڑھاتے وقت سوچی جاسکتی ہیں اور انھیں بچوں کے سبق کا جزو
بنایا جاسکتا ہے۔

انشا کا ایک خاص مقصد بچوں کی معلومات میں اضافہ کرنا ہے
کتاب کے ہر سبق کو اچھے اُستاد کسی نہ کسی مفید معلومات کے
فراہم کرنے کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ مثلاً آپ حضرت عیسیٰ پر سبق
پڑھا رہے ہیں۔ اُس میں عیسوی سنہ کا ذکر آنا یقینی ہے۔ آپ
اُسی سلسلے میں بچوں کو اُن مختلف سنوں کا حال بتا سکتے ہیں جو اس
وقت ہندوستان میں رائج ہیں۔ میں نے ایک اچھے اُستاد کو
اکبر کا وہ مشہور خط جس کا پہلا مصرعہ ہے " نامہ کوئی نہ یار کا پیغام
بھیجیے " ایک جماعت میں پڑھاتے ہوئے دیکھا۔ یہ خط اس اُستاد
نے جس طرح پڑھایا اُس کا ذکر کرنے کا یہ موقع نہیں، لیکن خط پڑھا چکنے

کے بعد اُستاد نے نہایت موزوں سوالات کی مدد سے طلبہ کو غالب کی خطوط نویسی اور اُس کے طرز کے متعلق بے حد مفید باتیں بتائیں اور لڑکوں نے ذرا سی دیر کے لئے بھی محسوس نہیں کیا کہ جو کچھ اُنھیں بتایا جا رہا ہے اُس کا سبق سے کوئی ربط نہیں۔

ہمارے درجوں میں مدتوں سے یہ طریقہ رائج ہے کہ اُستاد کتاب میں پڑھے ہوئے سبقوں کے متعلق اپنے طالب علموں سے طرح طرح کے مضمون لکھواتے ہیں۔ یہ مشق اس لئے کارآمد ثابت ہوتی ہے کہ مضمون لکھنے کے لئے جس صحیح قسم کے مواد اور ترتیب کی ضرورت ہوتی ہے وہ اُنھیں سبق سے مل جاتا ہے اور اس طرح کتاب کے سبقوں کی مدد سے لکھا ہوا مضمون خود اُن کے سوچے ہوئے مضمون سے اچھا ہوتا ہے۔ لیکن جن بچوں کو آپ نے انشا کی اچھی مشقوں کے ذریعے سے سوچنے اور ہر چیز میں ایک نئی بات پیدا کرنے کا عادی بنا دیا ہے، وہ ایسے مضمونوں میں ذرا بھی دلچسپی محسوس نہیں کریں گے۔ جن کا ڈھانچا بالکل اسکول میں پڑھے ہوئے سبق کا سا ہو یا جن کے مواد میں کتاب میں پڑھی ہوئی باتوں کے علاوہ کسی اور اضافے کی گنجائش ہی نہ ہو۔ اس لئے اگر اُستاد کتاب کے سبقوں اور مضمون نویسی میں کچھ ربط پیدا کرنا چاہتا ہے تو اُسے مضمونوں کے عنوانوں میں کسی قدر جدت سے کام لینا پڑے گا۔ اس کے بعد بچے خود بخود پڑھے ہوئے سبق کی معلومات سے فائدہ اُٹھا کر

انھیں اپنے مضمون میں استعمال کریں گے۔ مثلاً بچوں کی کتاب میں ایک سبق قطب شمالی پر ہے۔ اب اگر استاد قطب شمالی پر کوئی مضمون لکھوانا چاہتا ہے تو اس کا عنوان یہ ہو سکتا ہے "قطب شمالی میں ۲۴ گھنٹے"۔ کتاب میں ایک سبق ننگا پربت کی مہموں پر ہے اس پر بچوں سے یہ عنوان دے کر مضمون لکھوایا جا سکتا ہے "خواب میں ننگا پربت پر"۔ طلبہ نے ایک نظم پڑھی "عروس بہار" اس کی بنیاد پر ایک مضمون لکھ سکتے ہیں "مٹھو میاں کی شادی"۔ کتاب میں ایک سبق کا عنوان ہے "نئی پرانی سواریاں" بچے ایک مضمون لکھ سکتے ہیں "نئی پرانی سواریوں میں ایک خیالی سفر"۔ اکبر کی نظم دہلی دربار پڑھ کر اس طرح کا مضمون لکھا جا سکتا ہے "دربار کی کہانی، سڑک کی سرخی کی زبانی"۔ شرر کا مضمون "لکھنؤ کی تہذیب" پڑھ کر بچے ایک مضمون لکھ سکتے ہیں "نواب صاحب کی محفل میں"۔

مختصر یہ کہ درسی کتاب، اچھے استاد کے ہاتھ میں ایک اچھی قاموس بھی بن سکتی ہے اور ایک صرف و نحو کی کتاب بھی۔ وہ اسے بچوں کی معلومات کا خزانہ بھی بنا سکتا ہے اور اچھے اچھے مضمون کی بنیاد بھی۔ وہ ایک ہی کتاب سے ان میں ادبی ذوق بھی پیدا کر سکتا ہے اور ایک ہی کتاب ان میں چیزوں کو پرکھنے، جانچنے اور تولنے کی صلاحیت بھی پیدا کر سکتی ہے لیکن ان سب باتوں کے لئے ایک "اچھے استاد" کی ضرورت ہے۔

(۶)

قواعد کی تعلیم اور انشا

ہمارے مدرسوں میں قواعد کی تعلیم پر اب تک کافی زور دیا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو پہلے تو کچھ ایسی تعریفیں رٹنی پڑتی ہیں جن کا وہ ایک حرف بھی نہیں سمجھتے۔ اس کے بعد انھیں اسم صفت اور فعل کا فرق سمجھنا پڑتا ہے، پھر ان میں سے ہر ایک کے متعلق شاخ در شاخ خدا جانے کتنی معلومات ان کے نازک دماغوں میں ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ صرف کی تعلیم کے بعد نحو کا نمبر آتا ہے۔ شرط، جزا، علت، معلول، مستدرک، مستدرک منہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسمیہ اور فعلیہ جملوں کا فرق سمجھایا جاتا ہے اور بقول اکبر کے مغز سر کا جتنا آ ماس ممکن ہے پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لڑکے اس میں سے کیا سمجھتے ہیں اور ان سب چیزوں سے انھیں کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ اس کا جواب قواعد کی تعلیم کے حامی بڑے بڑے لفظوں میں دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک زبان اور ادب کی تعلیم قواعد سیکھے بغیر ممکن ہی نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ:

(۱) قواعد، بچوں میں لکھنے کی مشق پیدا کرتی ہے وہ قواعد

کی مدد سے اپنے خیالات کا اظہار صفائی اور صحت کے ساتھ کر سکتے ہیں اور وہ انشا پرداز بن جاتے ہیں۔ اس کا ایک بہت بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ ہمارے بہت سے امتحانوں میں "قواعد اور انشا" کا ایک ہی پرچہ ہوتا ہے۔ گویا دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اور اگر کسی نے قواعد کے دو ایک سوال کر کے پرچے میں کامیابی حاصل کر لی تو اُسے انشا پردازی کی سند بھی مل گئی۔

(۲) قواعد ہمیں بولنا سکھاتی ہے اور رفتہ رفتہ ہم صحیح بولنا سیکھ جاتے ہیں۔ ہماری زبان کی غلطیوں کی صحت بغیر قواعد کی مدد کے غیر ممکن ہے۔

(۳) قواعد کی مدد سے ہم اپنی اور دوسرے کی غلطیوں کی صحت کر سکتے ہیں۔

(۴) قواعد کی مدد سے ہم دوسروں کی تحریروں کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ جو لوگ قواعد کے اس سے بھی زیادہ شیدائی ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ:۔

(۱) قواعد ہماری ذہنی قوتوں کی تربیت کرتی ہے

(۲) بچوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہے۔

بظاہر اس بحث کو اس کتاب میں لانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن حقیقت میں چونکہ قدیم طرز کے پڑھانے والوں

نے قواعد کو اپنے تعلیمی طریقوں میں اتنی زیادہ اہمیت دے رکھی ہے کہ
انشا کے ذریعے سے جن چیزوں کی تعلیم مقصود ہوتی ہے۔ اُن کے
بالکل بے جان اور بے اثر ہو کر رہ جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اس
بات کی ضرورت ہے کہ قواعد کی تعلیم کے سلسلے میں جتنے سوال پیدا
ہوتے ہیں، انشا کی تعلیم کے نقطۂ نظر سے اُن پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔
قواعد کے حامیوں کا دعویٰ ہے کہ قواعد ہمیں بولنا سکھاتی ہے۔
لیکن اس دعوے میں بہت کم صحت ہے اور اس کا اندازہ ہمیں
اس بات پر ایک نظر ڈالنے سے ہو سکتا ہے کہ بچہ بولنا کس طرح
سیکھتا ہے اور وہ غیر محسوس طریقے سے کس طرح دن بدن لفظوں
سے فقرے، فقروں سے جملے اور جملوں سے مسلسل خیال بناتا رہتا
ہے۔ پانچ برس کی عمر میں، بچہ محض اپنے بڑوں سے باتیں سن کر
اتنی اچھی زبان بولنے لگتا ہے کہ کوئی غیر ملک کا رہنے والا برسوں
کی شدید محنت کے بعد بھی نہیں بول سکتا۔ اُس کی زبان میں روانی
ہوتی ہے اور اُس کے خیال میں تسلسل۔ وہ کبھی کبھی تو ایسی باتیں
کہہ دیتا ہے کہ خود بڑوں کو بھی اُن پر حیرت ہوتی ہے۔ وہ آزادی
کے ساتھ طرح طرح کی اصطلاحیں اور کہاوتیں جملوں میں استعمال
کرتا ہے اور اُسے ان سب چیزوں کا علم بھی نہیں ہوتا۔ کوئی
اندرونی طاقت۔ فطری طور پر اُس کی مدد کرتی رہتی ہے۔ وہ
نئے فقرے بناتا ہے، اُس کی زبان سے نئے جملے نکلتے ہیں اور

اُسے ذرا سی دیر کے لئے بھی قواعد یا اُس کے قاعدوں کا خیال تک نہیں آتا۔ وہ جملے صرف اس لئے استعمال کرتا ہے کہ اُسے اُن کے صحیح ہونے کا یقین ہے۔ اگر کوئی اُس سے اس کی وجہ پوچھے تو شاید وہ گونگا بن کر کھڑا ہو جائے۔ اُسے لفظوں کے معنی بغیر لغات دیکھے معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ اُنھیں صحیح موقعوں پر بالکل اُسی روانی سے استعمال کرتا ہے جس طرح ہم سانس لیتے ہیں۔

Ballard نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ہم اپنی گفتگو میں اگر کوئی قواعد استعمال کرتے ہیں تو یا تو وہ جو ہم نے کبھی سیکھی ہی نہیں اور یا وہ جسے ہم سیکھ کر بھول چکے ہیں۔ کسی سیکھے ہوئے قاعدے کا خیال آتے ہی مفہوم ہمارے ذہن سے غائب ہو جاتا ہے اور اس قاعدے کو استعمال کرنے میں بے حد دیر لگتی ہے۔ اس لئے کہ جب تک بولنے والا قاعدے کو یاد کرتا ہے، وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اسے کیا کہنا ہے۔ یہی حال بچوں کا ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اُس میں اُنھیں کسی کوشش سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خیال کے ساتھ جملے خود بخود ذہن میں آتے ہیں اور زبان انھیں ادا کر دیتی ہے ایک چیز کو دوسری شکل اختیار کرتے اتنی دیر نہیں لگتی کہ اُسے کوئی محسوس کر سکے۔

بولنے کی عادت، اور اچھا بولنے کی مشق رفتہ رفتہ اور فطری طور پر حاصل کی ہوئی عادتیں ہیں۔ بناوٹی چیزوں کا زور نہ

انھیں دبا سکتا ہے اور نہ اُنھیں اُبھرنے میں مدد دے سکتا ہے۔ اس لئے زبان سکھانے کے لئے قواعد ایک بے اثر اور بے زور چیز ہے جسے فطرت اپنی رو میں بہالے جاتی ہے۔ اگر کوئی قواعد کی مدد سے بچوں کو زبان سکھانا چاہتا ہے تو اُس کی مثال اُس آدمی کی سی ہوگی جو ڈول بھر بھر کے کسی بہتے ہوئے چشمے کو خالی کرنے کی کوشش میں مصروف ہو۔

یہ دعوےٰ کہ قواعد کی مدد سے زبان کی صحت ہو سکتی ہے۔ اور بھی بے بنیاد ہے۔ اس کا اندازہ بھی بچے کی مثال لے کر زیادہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ بچہ پہلے غلط زبان سیکھتا ہے۔ اُس کے جملوں میں لفظوں کی ترتیب ٹھیک نہیں ہوتی۔ اُسے چیزوں کی تذکیر تانیث کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ ٹوٹے پھوٹے فقروں اور غیر مکمل جملوں میں اپنے خیال کا اظہار کرتا ہے۔ کوئی اُسے نہیں بتاتا کہ وہ کیا غلطی کر رہا ہے۔ وہ بغیر کسی کی مدد کے رفتہ رفتہ خود اپنی غلطیوں کو ٹھیک کرتا رہتا ہے۔ اور آخر میں خود بخود صاف ستھری زبان بولنے لگتا ہے اس لئے زبان کی غلطیوں کو قواعد کی مدد سے دور کرنے کی کوشش فطرت کے راستے میں روڑا اٹکانا ہے۔ جس طرح غلطی کسی نے اُس کے دماغ میں بٹھائی نہیں تھی اسی طرح اس کے نکالنے کے لئے بھی کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ یہ غلطی چونکہ ارادی طور پر پیدا نہیں ہوئی اس لئے اس کی صحت کے لئے بھی کسی ارادی

علاج کی ضرورت نہیں۔ اس میں عقل کو نہیں بلکہ صرف فطرت کو دخل ہے۔ جس طرح فطرت نے وہ غلطی اُس کی زبان پر جاری کی، اُسی طرح فطرت خود بخود اُسے دور بھی کردے گی۔ وہ اپنے بڑوں سے صحیح باتیں سنتے سنتے خود انھیں صحیح بولنے کا عادی ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ قواعد ہمیں زبان کے صرف تھوڑے سے سطحی اصول سکھا سکتی ہے۔ ہر زبان میں ہزاروں لفظ محاورے، کہاوتیں ایسی ہیں جو قواعد کی احسان مند نہیں اُن کی تعلیم ماں کی گود، بہن بھائیوں کی صحبت اور آگے چل کر دوستوں جاننے والوں اور ملنے جُلنے والوں کی سنگت میں ہوتی ہے اور ان کی اچھائی بُرائی کا احساس صرف اہل زبان کو ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ قواعد زبان کے کچھ ابتدائی اصول سکھا سکتی ہے تو یہ بات تو یقینی ہے کہ زبان کا ایک بہت بڑا اور کافی قیمتی حصہ اُس کی دسترس سے باہر ہے اس لئے نہ قواعد سے اس کے سیکھنے میں مدد مل سکتی ہے اور نہ اس کی غلطیوں کی صحت میں۔ اگر حقیقت میں یہی چیز زبان کے سیکھنے اور اُس کی غلطیوں کے دور کرنے کا ذریعہ ہوتی تو پھر اہل زبان اور دوسرے لوگوں میں کوئی فرق باقی نہ رہتا۔ ہر شخص تھوڑے سے قاعدے سیکھنے اور اُن کی مشق کرنے کے بعد آسانی سے دوسری زبانوں پر بھی وہی قدرت حاصل کر لیتا جو مادری زبان پر۔

زبان کا سیکھنا اور اپنی غلطیوں کا صحیح کرنا تک زبان کی تعلیم کی پہلی منزل ہے۔ اُس کا سیکھنا، صحیح لکھنا اور اچھا لکھنا ایسی منزلیں ہیں جن پر آدمی بہت بعد میں پہنچتا ہے۔ قواعد کی رسائی سچ پوچھیے تو پہلی منزل تک بھی اچھی طرح نہیں۔ پھر آگے کی منزلیں تو ظاہر ہے کہ بالکل ہی اُس کی دسترس سے باہر ہیں۔ ایک چیز اور بھی دیکھنے کی ہے۔ اپنی مادری زبان میں بھی ہر شخص اپنے خیالات کا اظہار آسانی سے نہیں کر سکتا اور موثر طریقے سے اپنے خیالات کو تحریر میں لانے والوں کے نام تو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں پھر بھلا کیسے کہا جا سکتا ہے کہ محض قواعد کے سیکھ لینے ہی سے انسان صحیح زبان لکھ سکتا ہے۔ انگلستان میں اس طرح کے تجربات سے جو نتائج برآمد ہوئے اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ جن مدرسوں میں قواعد کی تعلیم نہیں دی جاتی وہاں کے بچے، لکھنے میں اُن مدرسوں کے بچوں سے زیادہ مشاق ہیں، جہاں قواعد کی تعلیم پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ خود ہم اپنے مدرسوں میں دیکھتے ہیں کہ جو لوگ رٹ کر، قواعد کے سوالوں میں، اپنے دوسرے ساتھیوں سے زیادہ نمبر حاصل کرتے ہیں، ضروری نہیں کہ وہ لکھنے میں بھی اچھے ہوں بلکہ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن قواعد کے اصول پر انہیں بظاہر عبور حاصل ہے، لکھنے میں ان کی ذرا بھی پابندی نہیں کر سکتے۔ برخلاف اس کے اکثر بچے ایسے ملیں گے جو تحریر میں اپنے خیالات روانی اور صفائی کے ساتھ ادا کر سکتے

ہیں، لیکن انہیں قواعد یا تو بالکل نہیں آتی اور اگر آتی ہے تو بہت کم۔
اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی قواعد کی مدد سے دوسروں کے خیالات کے سمجھنے میں کوئی مدد ملتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زبان کا ایک بہت ہی محدود حصہ ایسا ہے جس پر قواعد قادر ہے اور لکھنے والے اپنی تحریروں میں قواعد سے کہیں زیادہ زبان کے اُس حصے سے کام لیتے ہیں جو صدیوں کے مسلسل عمل اور نسلوں کی کوششوں کے بعد پیدا ہوتا ہے اور اس لئے جو شخص صرف اتنی زبان جانتا ہے جتنی قواعد کی مدد سے سیکھی جاتی ہے وہ دوسروں کی تحریروں کا مطلب سمجھنے سے معذور رہے گا۔
اب اگر قواعد کی تعلیم ہمیں زبان سیکھنے، بولنے، لکھنے اور سمجھنے کسی چیز میں مدد نہیں دیتی تو پھر اسے نصاب میں اتنی اہمیت دینے کی کیا ضرورت ہے۔ کچھ لوگ تو یہ ماننے ہی کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ قواعد زبان سیکھنے، بولنے، لکھنے اور سمجھنے میں مدد نہیں دیتی یا دیتی ہے تو بہت کم۔ اور جو با دل ناخواستہ ان باتوں کو مان بھی لیتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ قواعد کی تعلیم سے دماغ میں چیزوں کو سلجھانے اور انہیں باقاعدہ طور پر سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا قواعد کی تعلیم ایک طرح کا آلہ ہے جس کی مدد سے دماغ کی مشین کے کچھ خاص پرزوں کو کچھ مخصوص حرکات کرنے کا عادی بنایا جا سکتا ہے۔ اب سے کچھ برس پہلے تک ماہرین

نفسیات کے ایک گروہ کا یہ نظریہ تھا کہ دماغ کی مختلف قوتوں کی تربیت مختلف مضامین سے ہو سکتی ہے۔ بعض مضمون، فکر اور غور کی قوت کو ترقی دیتے ہیں۔ کچھ مضمون دلیل و برہان کی قوت کو بڑھاتے ہیں۔ کچھ مضامین سے حافظے کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ قوتیں اتنی ترقی کر جاتی ہیں کہ اُن سے ہر موقع پر کام لیا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر پرانے زمانے میں قواعد کو بچوں کے نصاب میں صرف اس لئے داخل کیا جاتا تھا کہ اُس سے ہمارے دماغ میں چیزوں کے درمیان تسلسل اور ترتیب پیدا کرنے کی قوت بڑھتی ہے جب تک لوگ نفسیات کے اس نظریے کو مانتے تھے اُن کا خیال تھا کہ واقعی مختلف مضامین سے ہماری مختلف ذہنی قوتوں اور صلاحیتوں میں ترقی ہوتی ہے لیکن اب نفسیات میں جدید انکشافات ہو گئے ہیں اور اُن کی بنا پر اس نظریے کو بالکل رد کر دیا گیا ہے اور اس لئے قواعد کو جن نفسیاتی فوائد کا مرکز سمجھا جاتا تھا وہ اس سے وابستہ نہیں رہے اور اس افادی نقطۂ نظر سے بھی قواعد کی تعلیم ہمارے لئے زیادہ کارآمد نہیں رہی۔

اب صرف ایک ہی بات بچی، جس کی بنا پر ہم قواعد کو بچوں کے نصاب میں اہمیت دے سکتے ہیں اور وہ یہ کہ خواہ اس میں اور کچھ فائدہ ہو یا نہ ہو کم از کم ایک یہ فائدہ ضرور ہے کہ بچے

اس میں دلچسپی لیتے ہیں کسی مضمون میں اگر صرف یہی فائدہ موجود ہو
کہ اس سے بچوں کو دلچسپی ہے تو اسے نصاب میں شامل کرنے کا
یہ کافی معقول بہانہ ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی قواعد
میں بچے دلچسپی لیتے ہیں۔ تجربہ کہتا ہے کہ نہیں۔ اور علم النفسیات اس
بات کی تائید کرتے ہیں۔ بچے صرف اسی چیز میں دلچسپی لیتے ہیں
جس کی بنیاد ان کے تجربے پر ہو، جس چیز کا تعلق ان کی زندگی
سے ہو، اور جس چیز کو وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہوں۔ قواعد میں
ان تینوں باتوں میں سے کیا کیا باتیں موجود ہیں اس کا اندازہ
کرنے کے لئے Ballard کی رائے پر غور کیجئے۔

وہ کہتا ہے کہ قواعد کی تعلیم میں بچے کے لئے سب سے
بڑی دقت یہ ہے کہ وہ مانوس چیزوں کو غیر مانوس طریقوں سے
سمجھانا چاہتی ہے۔ بچہ (قواعد کے مقابلے میں) زبان سے اس
لئے محبت کرتا ہے کہ وہ مانوس چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہے
اور خیالات کے ادا کرنے میں مدد کرتی ہے۔

بچے کا فطری جھکاؤ اور رجحان چیزوں (objects) کی
طرف ہوتا ہے اس کے لئے لفظوں کے متعلق کچھ سوچنا بے حد
دشوار ہے اور اس سے زیادہ دشوار ہے خیالات کے متعلق
سوچنا۔ اور سب سے زیادہ دشوار اس رابطہ کا تصور ہے جو
چیزوں، لفظوں اور خیالات کے درمیان ہوتا ہے۔ لفظوں سے

غیر مانوس ہو کر بھی اُسے، اُن کے اندر چھپے ہوئے معنی کو تلاش کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے اور اس کے لئے یہ بات قطعی غیر ممکن ہے اس لئے کہ چیزوں اور ان کے ناموں کی حیثیت میں جو نفسیاتی اور علمی فرق ہے اُس کا سمجھنا یا اُس کا تصور کرنا بچے کے لئے بے حد دشوار ہے۔ کتاب اور لفظ "کتاب" میں جو باریک علمی فرق ہے، بچہ اُس سے قطعی واقف نہیں ہوتا۔ وہ تو اُس ٹھوس مادی چیز کو جانتا ہے جسے ہم "کتاب" کہتے ہیں۔ لفظ "کتاب" کی منطقی ہیئت، اُس کے لئے ایک بے معنی چیز ہے۔ قواعد اُسے "کتاب" نہیں بلکہ لفظ کتاب کے متعلق کچھ بتانا چاہتی ہے، یہ چیز اُس کی فطرت پر ایک بوجھ ہوتی ہے۔ اور وہ حیرت اور کبھی کبھی گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ قواعد ایک دوسری حیثیت سے بھی بچوں کے لئے غیر فطری ہے۔ قواعد بچے کو زبان سکھانا چاہتی ہے اور بچے کے دماغ کے لئے زبان کا سیکھنا، قواعد کے سمجھنے سے زیادہ آسان ہے۔ اس لئے وہ بجائے مشکل چیز کو آسان بنانے کے آسان چیز کو مشکل بنا دیتی ہے۔

قواعد کے خلاف اب تک ہم نے جو کچھ کہا، اُس سے ضروری طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قواعد کا پڑھانا بالکل بیکار چیز ہے حالانکہ تجربہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ قواعد میں اتنے

فائدے نہ ہوں جتنے اُس سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اُس میں بہت سے فائدے بھی ہیں۔ قواعد ہمیں بولنا یا صحیح بولنا نہیں سکھاتی، لیکن قواعد کے علم کے بعد ہم کہی ہوئی بات کی صحت یا غلطی کے متعلق صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اُس سے ہمیں لکھنا نہیں آ سکتا، لیکن لکھتے وقت اگر شبہ پیدا ہو تو اُسے یقین سے بدلنے کے لئے ہمیں اپنی قواعد دانی کے علم سے مدد ملتی ہے۔ کسی غیر ملکی شخص کو زبان کے ابتدائی اصول سمجھانے کے لئے بھی ہمیں قواعد کا دست نگر ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے اس کا سیکھنا ناگزیر ہے۔ مگر قدیم تعلیم اور جدید تعلیم کے نقطۂ نظر میں فرق ہونا چاہئے۔ قواعد سیکھی جائے لیکن اس لئے نہیں کہ اُس سے ہمیں زبان آ جائے گی، یا اُس سے ہم لکھنا سیکھ جائیں گے یا وہ ہمیں دوسروں کی تحریروں کے سمجھنے میں مدد دے گی۔ اور اس لئے ہمیں قواعد اُس وقت سیکھنی چاہئے جب ہم میں مسلسل سوچنے کی قوت پیدا ہو جائے۔ ہم اپنے خیالات کو روانی اور تسلسل کے ساتھ بیان کرنے پر قادر ہو جائیں۔ اور اُس وقت بھی قواعد کی اصطلاحیں سیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف دو باتوں کا احساس ضروری ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ قواعد اور جملوں کی ساخت میں کیا تعلق ہے۔
(۲) دوسرے یہ کہ ان جملوں میں مختلف لفظوں کا کام کیا ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ قواعد میں بچوں کو صرف ایسے اصول سکھانے کی ضرورت ہے جو عام طور پر سب زبانوں میں یکساں ہیں، جن کے جانے بغیر لفظوں کی قدر و قیمت کا اندازہ مشکل ہے۔

میرا تجربہ یہ ہے کہ لفظوں کی صحیح قدر و قیمت کا احساس پیدا کرنے اور اُن کی لسانی قدروں سے واقف ہونے میں قواعد کی بعض چیزوں سے جتنی مدد ملتی ہے کسی اور چیز سے نہیں ملتی۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ قواعد کو ایک الگ مضمون سمجھ کر نہ پڑھایا جائے۔ طالب علموں پر اس کی پابندی بھی نہ ہو کہ وہ مختلف اصطلاحوں کی تعریفیں ازبر کرلیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ انھیں قواعد کی صرف اُن چیزوں سے روشناس کرایا جائے جن سے واقعی کلام کے سمجھنے اور اس کے واضح کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ مدد انشا سے لی جاسکتی ہے۔ قواعد کی ساری تعلیم میرے نزدیک انشا کے ساتھ ساتھ ہونی چاہئے اور اس میں بھی صرف تھوڑی سی بہت گنی چنی باتوں کے علاوہ اُستاد کو قواعد کی تفصیلوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بالکل ابتدائی درجوں میں یعنی تیسری اور چوتھی جماعت میں حتی الامکان ہر طرح کی گرامر سے بچنا چاہئے۔ پانچویں، چھٹے درجے میں بھی فعل اسم اور صفت کی جملے میں کیا حیثیت ہے اور صفت اور اسم میں کتنا گہرا تعلق ہے، اگر اُستاد صرف ان چیزوں کو پیش نظر رکھے تو

فعل، اسم اور صفت کی تعلیم بچوں کے لئے بے حد مفید ثابت
ہو سکتی ہے۔ استاد کے سلیقے پر منحصر ہے کہ وہ انھیں ابتدائی چیزوں
کی مدد سے جملے میں لفظوں کی صحیح ترتیب اور ان کی معنوی
حیثیت بچوں پر واضح کردے۔ بچوں کو فعل، اسم اور صفت
کی تعلیم اس طرح دینی چاہئے کہ وہ ان کی تعریفیں رٹنے کی کوشش
نہ کریں بلکہ جملے میں ان کا جو کچھ کام ہے اس سے واقف ہوں۔
یہ کام کئی طرح کی مشقوں کے ذریعے کرایا جاسکتا ہے۔ جملوں
میں فعلوں، اسموں اور صفات کی خالی جگہیں چھوڑ کر بچوں سے
انھیں بھروایا جاسکتا ہے۔ جملوں میں مذکر فعل دے کر انھیں
مؤنث میں تبدیل کرایا جاسکتا ہے۔ جملے میں فعل کو واحد سے
جمع اور جمع سے واحد بنا کر جملے کے باقی حصوں کو ان کے
مطابق بنانے کی مشقیں کرائی جاسکتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے آسان
شعروں کی نثر کرانے کی مشقیں سب سے زیادہ دلچسپ اور
مفید ہو سکتی ہیں۔ بچوں میں اسم، فعل اور صفت کے صحیح سیاق و
سباق کا احساس ان مشقوں سے زیادہ اور کسی طرح کی مشقوں سے
نہیں ہوتا۔ پانچویں چھٹے درجے کے بعد بھی یہ مشقیں جاری رکھی
جاسکتی ہیں۔ خاص کر شعروں کی نثر سے زیادہ سے زیادہ کام
لیا جاسکتا ہے اور انھیں مشقوں کے ساتھ ایک چیز کا اور اضافہ
کیا جاسکتا ہے۔ اسم، فعل اور صفت کے بعد جملے میں حرف جار

کی جو اہمیت ہے بچوں میں رفتہ رفتہ اس کا احساس پیدا کرنے
کی کوشش کرنی چاہیے۔ چھٹے اور ساتویں درجے میں اسم فعل
صفت اور حرف جار کی مشقوں کو جاری رکھنے کے علاوہ اگر
کسی اور چیز کی مشق ضروری ہے تو وہ صرف اسم فاعل اور
اسم مفعول کی۔ میں نے اپنے تجربے سے یہ محسوس کیا ہے کہ
قواعد کی کوئی چیز بچوں میں لفظوں کی قدر و قیمت کا احساس اور
لسانی ذوق پیدا کرنے میں اتنی مدد نہیں دیتی جتنی اسم فاعل اور
اسم مفعول کی مشقیں۔ اگر استاد ذرا سی سوجھ بوجھ سے کام
لے تو چھٹے، ساتویں اور آٹھویں درجے ہی سے بچوں میں لفظی
تحقیق کا شوق پیدا ہو سکتا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جتنی
مشقیں درجوں میں کرائی ہیں ان سے مجھے اندازہ ہوا ہے کہ بچے
اگر استاد کی ذرا سی مدد کے بعد اپنے ذہن سے کچھ لفظوں کے
معنی معلوم کر سکیں تو انھیں ایسی ہی مسرت ہوتی ہے جیسے کوئی
بہت بڑی دولت پا کر۔ مثلاً کتاب پڑھاتے وقت یا کسی اور
سلسلے میں "قاتل" کا لفظ آیا۔ استاد اگر بچوں کو بتائے کہ یہ لفظ
قتل سے بنا ہے اور قواعد میں اسے اسم فاعل کہتے ہیں اور اسی
طرح مقتول کو اسم مفعول کہتے ہیں تو چاہے لڑکے اس بات میں زیادہ
لطف نہ لیں لیکن جب اس طرح کے بہت سے لفظ جن سے وہ
واقف ہیں ان کے سامنے دہرائے جائیں گے اور خود ان

اُن کے معنی اخذ کرائے جائیں گے تو اُنھیں یقیناً بے حد خوشی ہوگی۔ اسی مشق کو یوں کیجئے آپ نے تختۂ سیاہ پر تین لفظ ، قتل ، قاتل اور مقتول اس طرح لکھ دیئے۔

فعل	اسم فاعل	اسم مفعول
قتل	قاتل	مقتول

اور پھر بچوں ہی کی مدد سے رفتہ رفتہ اس طرح کے اور لفظ اسی طرح لکھے مثلاً :-

علم	عالم	معلوم
حکم	حاکم	محکوم
فتح	فاتح	مفتوح
طلب	طالب	مطلوب
عقل	عاقل	معقول
عرف	عارف	معروف
حمد	حامد	محمود
قبض	قابض	مقبوض

اسی طرح کے سیکڑوں لفظ ہو سکتے ہیں جن سے بچے واقف ہیں لیکن چونکہ یہ نہیں معلوم کہ یہ لفظ کیسے بنا اور کس لفظ سے بنا اس لئے وہ ان کے صحیح معنی نہیں سمجھتے ۔ اس مشق سے اُن کے ذہن میں اُن سب لفظوں کے معنی واضح ہو جائیں گے جو اس شکل کے ہیں اور

آئندہ وہ ایسے سب لفظوں کے معنی خود ہی نکال سکیں گے۔

نویں دسویں درجے تک اسم فاعل اور اسم مفعول کی مشقوں کو اور بھی مشکل بنایا جاسکتا ہے اور بجائے سیدھے سادے مفرد لفظوں کے مرکب اسموں کی مدد سے ان مشقوں میں اور زیادہ تنوع اور وزن پیدا ہوسکتا ہے۔ مثلاً لڑکوں نے ایک لفظ سائنس داں پڑھا۔ اُستاد اس لفظ کے ٹکڑے کر کے اس کے معنی اُن پر واضح کرے اور پھر اُن کی مدد سے اس طرح "داں" پر ختم ہونے والے جتنے لفظ مل سکیں اُن میں اور اس لفظ میں معنوی یکسانیت دکھا کر بچوں سے خود لفظوں کے معنی نکلوائے۔ انگریزی داں، ہیئت داں، سخنداں وغیرہ لفظ ذرا سے سوچنے کے بعد طلبہ کے ذہن میں خود آسکتے ہیں، اسی طرح کارکن، نظر زیب، ہوش رُبا، خندہ زن وغیرہ لفظوں کے ٹکڑے کرکے اور ان کے معنی سمجھا کر ایسے ہی بہت سے لفظ طلبہ کے لفظی ذخیرے میں داخل کئے جاسکتے ہیں۔ اسم فاعل اور اسم مفعول کی مشقوں میں کبھی فرسودگی نہیں پیدا ہوتی اور اچھے اُستاد کو کبھی یہ شکایت پیدا ہونے کی گنجائش نہیں کہ اس طرح کی اچھی مشقوں کے لئے لفظوں کا خزانہ ختم ہوگیا۔

اسم فاعل اور اسم مفعول کی مشقوں کے ساتھ ساتھ یا اس قسم کی تھوڑی سی مشقیں ختم کرلینے کے بعد طلبہ کو اضافت کے مفہوم سے آشنا کرنا چاہئے۔ اردو اور فارسی کی اضافتوں کا فرق

سمجھا کر مختلف مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ
اضافتوں کی وجہ سے کس طرح لفظوں کے تلفظ میں فرق پیدا
ہو جاتا ہے اور کس طرح ا، و اور ی، پر ختم ہونے والے
لفظوں میں جب اضافت لگائی جاتی ہے تو اس کے بعد "ے" کا
لگانا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن ادبی حیثیت میں اضافتوں کے سکھانے
میں صرف دو قسم کی اضافتوں پر بہت زور دینا چاہئے۔ اضافت
توصیفی اور اضافت تشبیہی۔ اچھے ادیبوں کی نثر میں اور اکثر شعروں
میں ان دو طرح کی اضافتوں سے جو ادبی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں
ان کی طرف مسلسل اشاروں سے طلبہ پر یہ بات واضح کر دینی چاہئے کہ
ادب میں ان دو اضافتوں کی بے حد اہمیت ہے اور کلام میں ایجاز،
معنی کی وسعت اور تصور آفرینی پیدا کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ خیمۂ
فلک، دریائے نور، بزم ہستی، گوئے سبقت، صبح درخشاں، آفتاب علم
جیسی ترکیبیں کتاب پڑھاتے وقت کثرت سے عبارتوں اور شعروں
میں ملیں گی۔ استاد آسانی سے طلبہ کے سبق میں آنے والی ایسی ترکیبوں
سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ان چیزوں کے علاوہ قواعد میں بہت کم چیزیں ہیں جو زبان
اور ادب کے نقطۂ نظر سے کوئی اہمیت رکھتی ہوں۔ اس لئے استاد
کو ان چیزوں کے علاوہ قواعد کی اور باتوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت
نہیں۔ ہاں البتہ ایک طرح کی مشقیں اور بھی اس کام میں اس کی مدد

کرسکتی ہیں۔ بچے درجے میں جو کہانی، خلاصہ، مکالمہ، ڈائری یا مضمون وغیرہ لکھیں اُسے اُستاد کو دکھانے کے بجائے فرداً فرداً جماعت کے سامنے آکر سنائیں۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ ایک لڑکا جو غلطی کرتا ہے، اُسے جماعت کے دوسرے لڑکوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور پکڑ لیتا ہے۔ اُستاد کو چاہئے کہ اس غلطی کو لڑکوں ہی سے دُرست کرائے۔ اس طرح کی مشقوں میں ایک خوبی یہ ہے کہ قواعد کے قاعدے رٹے بغیر ہی طلبہ اپنی غلطیاں محسوس کرنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ اُن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ قواعد کی تعلیم کسی حد تک طالب علموں کے لئے بیحد ضروری ہے۔ اُس میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن پر حد سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے اور اکثر ایسی ہیں جن کا قطعی نظر انداز کر دینا ہی اچھا ہے۔ پھر یہ کہ قواعد کی جتنی باتوں کا سکھانا ہمارے نزدیک ضروری ہے اُن کی تعلیم قواعد کی طرح نہیں، بلکہ انشا کی طرح ہونی چاہئے۔ قواعد کی مشقیں بھی انشا کی دوسری مشقوں ہی کی طرح کرائی جائیں تاکہ طلبہ اسے ایک الگ مضمون نہ سمجھنے لگیں۔ اس طرح قواعد، ایک اچھے اُستاد کے ہاتھ میں، زبان اور ادب کے سیکھنے کا ایک بے حد مفید اور ناگزیر وسیلہ بن سکتی ہے۔

(۷)

مدرّس کی ذمہ واری

ان نئے طریقوں پر عمل کرنے اور انھیں بچّوں کے لئے زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنانے میں، پڑھانے والوں کا کام اور اُن کی ذمہ واری بہت بڑھ جائے گی۔ معلّمین کو اب صرف ایک اچھا پڑھانے والا ہی نہیں بلکہ ایک اچھے سے اچھا انسان بننے کی سخت ضرورت ہے۔ نئے طریقوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے، اُس سے کہیں زیادہ زور پڑھانے کے طریقے پر دیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے زمانے میں معلّم خشک فلسفی بن کر بھی اپنے شاگردوں کو سب کچھ پڑھا سکتا ہو اور اُس کے سلیم شاگرد پڑھائی ہوئی باتوں سے کچھ فائدہ بھی اُٹھا لیتے ہوں، لیکن آج کل مدرس کے طرزِ عمل میں خشک فلسفیانہ رنگ کی جھلک بھی اُس کے کام میں بڑی رُکاوٹ ہے۔ معلّم بچّوں کو جو کچھ پڑھائے وہ اگر ہمدردی اور محبّت سے پڑھائے گا تو بچّے اُسے سُنیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو یہ سمجھنا چاہئے کہ مدرس نے اپنا اور بچّوں دونوں کا وقت ضائع کیا۔

بچّوں کو سبق میں دلچسپی کے ساتھ شریک کرنے کے لئے ضروری

ہے کہ سبق بجائے خود اُن کے لئے دلچسپ ہو۔ اُس کا تعلق اُن کی زندگی
سے ہو۔ اُنھیں ہر قدم پر، زندگی اور تعلیم کی حدیں ملتی ہوئی نظر آئیں۔
اس کے لئے کن کن باتوں کی ضرورت ہے۔ اس کا بے حد دلچسپ جواب
نئی تعلیم کے ایک بے حد عام اصول سے ملتا ہے۔ پُرانے زمانے میں
لوگ کہتے تھے کہ بچے کو پڑھانے کے لئے معلم کے لئے صرف علم اور
واقفیت ضروری ہے۔ اور اب کہا جاتا ہے کہ بچے کو پڑھانے کے
لئے معلم کو علم اور بچے دونوں سے اچھی طرح واقف ہونا چاہئے۔
اس لئے نئے معلم کا سب سے پہلا فرض یہ ہوا کہ وہ بچے کی فطرت
کا مطالعہ کرے یا یہ کہ اُسے اس کا علم ہو کہ کس طرح عمر کے ساتھ ساتھ
بچوں کی دلچسپی میں بھی تبدیلی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اُن کی توجہ ایک
سال ایک طرح کی چیزوں کی طرف جاتی ہے اور دوسرے سال
دوسری طرح کی چیزوں کی طرف۔ چونکہ انشا کا موضوع برابر
"چیزیں" ہوتی ہیں اس لئے بے حد ضروری ہے کہ معلم میں صرف
اُن چیزوں کے انتخاب کی صلاحیت ہو جو بچوں کے لئے دلچسپی کا
باعث بن سکیں اور یہ بات اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک معلم بچوں
کی زندگی اور اُن کی فطرت کے چھوٹے اور بڑے سب بھیدوں
سے واقف نہ ہو۔ ان چیزوں سے واقف ہونے کے لئے اُسے
خود بچہ بننے کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ بچوں کے ساتھ گھل مل کر
رہے اور اُن کے فطری جھکاؤ اور لگاؤ سے واقف ہو۔ ان کی

زندگی اور دُنیا کے نظام میں دلچسپی لینے والے بزرگوں کی زندگی میں
کتنا باریک اور نازک فرق ہے، اس کا اندازہ اُس صورت میں ممکن
ہے کہ معلم کی اور بچوں کی زندگی میں کوئی فرق نہ ہو۔ وہ اُن کی خوشیوں
میں حصہ لے، اُن کے غموں میں شریک ہو۔ اُن کی گفتار اور رفتار میں
اُن کا ہم صفیر و ہم سفر ہو۔ یہ تو ایک عام اصول ہوا جس کی پابندی
میں معلم کو کسی محدود دُنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ دنیا کا ہر بچہ
اُس کے لئے ایک مستقل مشاہدے کا سامان ہے اور اُس کی ہر حرکت
اس کے لئے ایک نیا سبق۔ اس لئے بچوں کی فطرت اور اُن کی زندگی
کی دلچسپیوں سے واقف ہونے کے لئے، اُسے صرف اپنے شاگردوں
کی زندگی سے واقف ہونے کی ضرورت نہیں۔ دنیا کے تمام
بچوں میں کچھ باتیں یکساں طور پر مشترک ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے
ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ہر بچے کی زندگی میں کچھ خاص باتیں
ایسی ہوتی ہیں جو سوائے اُس کے اور کسی کی زندگی میں نہیں ہوتیں۔
اس لئے بچوں کی عام فطرت کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ معلم کے
لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔
اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر اُسے عبور حاصل ہو۔ وہ اُن کی اچھی
اور بُری تمام باتیں جانتا ہو۔ اُسے اُن کی کمزوریوں اور خاص
خاص قوتوں کا علم ہو تاکہ وہ مختلف طریقوں سے، اُن کی تعلیم میں
ان چیزوں سے مدد لے سکے۔

بچے کسی معلم سے اس وقت تک کچھ نہیں سیکھ سکتے جب تک انھیں اس بات کا یقین نہ ہو کہ ان کا پڑھانے والا ان کا سب سے سچا ہمدرد اور عزیز دوست ہے۔ وہ جب اس کی شخصیت میں کوئی خاص کشش محسوس کرتے ہیں تو اس کی بتائی ہوئی باتوں بھی انھیں کشش معلوم ہوتی ہے اور جو چیز ان کے لئے کشش کا باعث ہوتی ہے، وہی ان کی زندگی کا جزو بن سکتی ہے۔ تعلیم اس وقت تک بے سود ہے۔۔ جب تک وہ کسی نہ کسی طرح بچوں کی زندگی کا جزو نہ بن جائے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ بچے، جو کچھ استاد انھیں بتا رہا ہے، اسے اپنا ایمان سمجھیں۔ بچے طرح طرح کی غلطیاں کریں گے۔ ان کی اصلاح بے حد ضروری ہے۔ لیکن اصلاح کا بھی سب سے اچھا طریقہ یہی ہے کہ ہم کسی کے دوست بن کر، اسے ہمدردانہ طریقے سے اس کی غلطیوں سے آگاہ کریں۔ جو معلم بچوں کی غلطیوں پر بہت سخت گیر ہوتے ہیں وہ بجائے فائدہ پہنچانے کے انھیں اکثر نقصان پہنچاتے ہیں۔ اول تو ان کی ہمت پست ہو جاتی ہے اور دوسرے ان میں ضد اور مقابلے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر وہ اپنی کسی غلطی کو محسوس بھی کرتے ہیں تو اسے دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ معلم بچوں کی اصلاح کرتے وقت بھی، ان کا سب سے اچھا دوست رہے اگر کوئی بچہ بار بار ایک ہی

غلطی کرتا ہے تو معلم کو غصہ آنے کی ضرورت نہیں ۔ بلکہ دوسری مرتبہ پہلی مرتبہ سے بھی زیادہ محبت اور شفقت کے اظہار کی ضرورت ہے ۔ بچوں میں خود اعتمادی صرف اُن کے ساتھ نرمی ، محبت اور شفقت کا برتاؤ کرکے پیدا کی جاسکتی ہے اور یہی خود اعتمادی علم کے حصول کا پیش خیمہ ہے ۔

اچھے اُستاد کی جن خوبیوں کا ذکر ابھی ہوا ، سچ پوچھئے تو ہر اچھے اُستاد میں اُن کا ہونا ضروری ہے ۔ لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق صرف انشا کے اُستاد سے ہے ۔ مثلاً انشا کے نئے اُستاد کو پہلے اُستادوں کے مقابلے میں زیادہ پڑھا لکھا ہونے کی بھی ضرورت ہے اس لئے کہ انشا کی مختلف شاخوں کے سلسلے میں ہم نے جتنی مختلف مشقوں کا ذکر کیا ہے اُن میں سے ہر ایک کے لئے ضرورت ہے کہ معلم کافی پڑھا لکھا ہو ۔ مثلاً اگر معلم بچوں کو اچھا لکھنا سکھانا چاہتا ہے تو اُسے زبان کے اچھے سے اچھے لکھنے والوں کی تحریروں سے بہت اچھی طرح واقف ہونا چاہیئے تاکہ وہ ہر موقع پر بچوں کے سامنے اچھی تحریروں کے نمونے پیش کرسکے ۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خود ایک اچھا لکھنے والا ہو ، تاکہ اُس میں لفظوں کی صحیح قدروں کا احساس ہو ۔ وہ اُن کی صحیح قیمتوں سے واقف ہو ۔ اُس کے کان ، لفظوں کی موسیقی سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں ۔ اور اُس کے قلم میں ، لفظوں کے صحیح استعمال کی قدرت

ہو، تاکہ اُس کے شاگرد، اُس کی تحریروں کو اپنے لئے نمونہ بنا سکیں۔ اُس کی جیتی جاگتی مثال سے سبق لے سکیں۔

لڑکوں کو صحیح بولنے کی تعلیم صرف وہی شخص دے سکتا ہے۔ جو خود صحیح اور اچھی زبان بول سکتا ہو۔ اس لئے کہ زبان کوشش سے نہیں سکھائی جاتی، بلکہ اس کا اثر بالکل غیر محسوس طریقے پر ہوتا ہے بُری زبان بولنے والا معلم کتنی ہی کوشش کرے وہ اپنے شاگردوں کو اچھی زبان نہیں سکھا سکتا۔

لڑکوں کو پڑھنے کے لئے اچھی کتابیں بتانے، اُن کی تنقیدوں کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے اور اُنھیں اچھا نقاد بننے میں مدد دینے کے لئے بے حد ضروری ہے کہ معلم زیادہ سے زیادہ کتابوں سے واقف ہو اور اُن کے متعلق صحیح رائے رکھتا ہو۔ یہ دو باتیں محض مثال کے لئے دیدی گئی ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو آسانی سے خود اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ انشا پڑھانے والے معلم کی ذمہ داریاں کس حد تک بڑھ گئی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے اُسے مختلف طریقوں سے کس قدر مسلح رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر اُستاد میں سوچ بچار، سوجھ بوجھ اور چوکنا رہنے کی عادت نہیں تو انشا کی تعلیم دینے میں موقعوں سے فائدہ اٹھانے کی جو ضرورت ہے، وہ اسے اچھی طرح پورا نہیں کر سکے گا۔
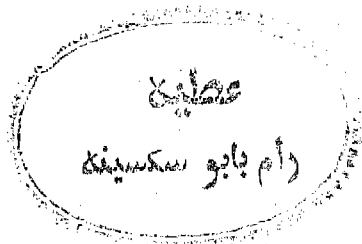
عطیہ
رام بابو سکسینہ
اگر
آپ اُردو کی تازہ ترین مطبوعات کا
مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو اُردو اکادمی
کی رکنیت قبول فرمائیے اور قواعد و ضوابط
ایک کارڈ لکھ کر طلب کیجئے۔
ناظم اُردو اکادمی
مکتبہ جامعہ، قرول باغ
دہلی
ALIGARH.
LIBRARY
ALIGARH.
MUSLIM UNIVERSITY

53613

1943

132

, 118

No missing

118
132 14